خصوصی مکالمہ برائے
اسلامی معاشی نظام

تنظیم اسلامی کا ترجمان

25

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

20 تا 26 ذوالحجہ 1441ھ / 11 تا 17 اگست 2020ء

انسان مالک نہیں، امین ہے

نظریہ توحید کا بدیہی نتیجہ، جسے اس دور میں پوری طرح کھول کر بیان کرنے اور واضح کرنے کی ضرورت ہے، انسان کی ملکیت مطلقہ کی نفی کامل ہے۔ جیسے کوئی حاکمِ مطلق نہیں ویسے ہی کوئی مالک مطلق نہیں۔ حاکمِ حقیقی بھی اللہ ہے اور مالکِ حقیقی بھی اللہ ہے--- قرآن مجید میں جس طور پر مختلف اسالیب سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کا اثبات فرمایا گیا ہے اسی طرح اللہ کی ملکیت مطلقہ کا بھی مختلف اسالیب سے اثبات کیا گیا ہے۔ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے الفاظ اللہ کی اسی ملکیت مطلقہ کے اظہار کے لیے قرآن مجید میں متعدد بار آئے ہیں۔ یہاں لِلّٰہِ اور لَہٗ میں حرفِ جار لام کے متعلق تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ لام تملیک بھی ہے اور لامِ استحقاق بھی--- پھر سورۂ آل عمران میں وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور سورۃ المنافقون میں وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرما کر مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا گیا کہ کائنات کی ہر شے کا مالکِ حقیقی صرف اللہ ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کو بڑے دل نشین اسلوب سے ادا کیا ہے ؎

این امانت چند روزہ نزدِ ماست   درحقیقت مالکِ ہر شے خداست

اسی مفہوم کو علامہ اقبال یوں ادا کرتے ہیں ؎

بندۂ مومن امیں، حق مالک است   غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است

حاصل کلام یہ ہوا کہ جیسے حاکمیت کے باب میں حاکمیت کی بجائے خلافت ہے، ویسے ہی ملکیت کے ضمن میں ملکیت کی بجائے امانت ہے۔ جو کچھ انسان کے پاس ہے اس کے حصول پر بھی قدغنیں ہوں گی۔ ناجائز طریقہ سے حاصل کرے گا تو ضبط کرلیا جائے گا اور تادیب کا سزاوار ٹھہرے گا۔ لیکن جو کچھ جائز طریقہ سے حاصل کرے گا وہ بھی اس کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اس میں تصرف بھی صرف جائز طریقہ سے کیا جاسکے گا، ناجائز طریقہ سے تصرف ہوگا تو تصرف کا اختیار بھی ساقط ہوجائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

.........خواجۂ یثرب کی حرمت پر
سود کے خلاف جدوجہد کی تاریخ
سودی نظام کا متبادل نظام
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود!
کلام اقبال (168)
The ICC and NGOs

الھدیٰ (898)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کافروں پر عذاب آئے تو وہ چلاتے ہیں

سُورۃُ المُؤمِنُون — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیات: 63، 64

بَلۡ قُلُوۡبُہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا وَ لَہُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ ہُمۡ لَہَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِیۡہِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا ہُمۡ یَجۡـَٔرُوۡنَ ﴿ؕ۶۴﴾

آیت: ۶۳ ﴿بَلۡ قُلُوۡبُہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا﴾ ’’لیکن اُن کے دل اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں‘‘

﴿وَ لَہُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ ہُمۡ لَہَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾﴾ ’’اور ان کے اور بہت سے مشاغل ہیں ان کے سوا جن کے لیے وہ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔‘‘

اوپر اہل ایمان کے جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے‘ ان کے مشاغل اور سرگرمیاں ان سے یکسر مختلف ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس دین کی خدمت اور بھلائی کے کاموں کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔ انہیں دن رات اپنی دنیا کمانے کی فکر ہے۔ وہ اپنے وقت کا کل سرمایہ اپنی ساری توانائیوں سمیت خود ساختہ جھوٹے معیارات کو برقرار رکھنے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے کھپا رہے ہیں۔ اس آیت کے مضمون کی روشنی میں ہر شخص کو اپنی مصروفیات کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس کی شبانہ روز تگ ودو اور بھاگ دوڑ کا کتنا حصہ دین کے لیے ہے اور کتنا حصہ دنیا کے لیے۔ اگر کسی شخص کی تمام تر کوشش اور ساری محنت ہے ہی دنیا کے لیے‘ اس کا نصب العین بھی دنیا ہے اور اس نے منصوبہ بندی بھی صرف اسی کے لیے کر رکھی ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ آخرت کی تیاری کرنے کے لیے فرصت کے لمحات اسے کب اور کیسے میسر آئیں گے؟

آیت: ۶۴ ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِیۡہِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا ہُمۡ یَجۡـَٔرُوۡنَ ﴿ؕ۶۴﴾﴾ ’’یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چیخیں چلائیں گے۔‘‘

فرمان نبویؐ

معمولی باتوں کے بھاری نتائج

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اِنَّ الۡعَبۡدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالۡکَلِمَۃِ مِنۡ رِضۡوَانِ اللّٰہِ لَا یُلۡقِیۡ لَھَا بَالًا یَرۡفَعُہُ اللّٰہُ بِھَا دَرَجَاتٍ وَ اِنَّ الۡعَبۡدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالۡکَلِمَۃِ مِنۡ سَخَطِ اللّٰہِ لَا یُلۡقِیۡ لَھَا بَالًا یَھۡوِیۡ بِھَا فِیۡ جَھَنَّمَ)) (صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بے شک آدمی (بعض اوقات) ایسی بات کرتا ہے‘ جس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ (اور متکلم) اس بات کی شان کو نہیں جانتا۔ (یعنی معمولی سمجھتا ہے۔ پر) اللہ تعالیٰ اس بات کے سبب اس کو بڑے مرتبے عطا کرتا ہے اور بے شک آدمی (بعض اوقات) ایسی بات کرتا ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ (اور متکلم) اس بات کو کچھ اہمیت نہیں دیتا۔ (معمولی جانتا ہے۔ لیکن) اسی ایک بات پر دوزخ میں جا گرتا ہے۔‘‘

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر

پشاور کی ایک عدالت میں خالد فیصل نامی شخص کے ہاتھوں ایک گستاخِ رسول جہنم واصل ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جرم کتنا ہی بڑا اور بھیانک کیوں نہ ہو مجرم کا سرِ راہ بغیر کسی عدالتی کارروائی کے مارا جانا یقیناً قابل تحسین اور قابل ستائش نہیں سمجھا جاتا، لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور معاملات اِس حد تک کیوں پہنچ جاتے ہیں؟ یہ نوبت کیوں آتی ہے؟ اگر ہماری ایلیٹ، ہمارے قانون ساز ادارے، ہماری انتظامیہ، ہماری عدلیہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور حالات کا تجزیہ دیانت داری اور باریک بینی سے کریں اور نیت سدھار کی ہو تو ایسے اقدامات کیے جا سکتے ہیں کہ لوگ قانون کو ہاتھ میں لینے کی سوچ بھی نہ رکھیں۔ مثلاً قانون کے اطلاق کے بارے میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہ ہو۔ ہر شخص کو یہ یقین ہو کہ میرا مجرم اگر سربراہِ مملکت بھی ہے یا اُسے عالمی قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہے تب بھی قانون کے ہاتھوں سے بچ نہیں پائے گا، پھر یہ کہ حصولِ انصاف کے ذرائع اتنے گراں اور پیچیدہ نہ ہوں کہ وسائل سے محروم عام آدمی سسٹم سے مایوس ہو جائے اور اس قدر مایوس ہو جائے کہ وہ سسٹم سے باہر کود جائے اور اپنے ذہن سے فیصلہ کر لے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے مجرم کو ایسی سزا دے ڈالے جتنی سزا کا شاید وہ حقدار بھی نہ ہو۔ عین ممکن ہے کہ قانونی راستہ اگر آسان، سہل اور سادہ ہو اور لوگوں کو اُن کی دہلیز پر انصاف مہیا ہو رہا ہو تو مظلوم اور مدعی اپنے مجرم کی کم سزا پر بھی مطمئن ہو جائیں۔ کون نہیں جانتا کہ پاکستان میں فیصلہ دینے سے پہلے ملزم کا خاندان، سیاسی وابستگی، عہدہ اور بینک بیلنس دیکھا جاتا ہے۔ اِن میں سے کوئی نہ کوئی حیثیت فیصلے کی بنیاد بنتی ہے۔ غریب، وسائل سے محروم اور اعلیٰ شخصیات سے تعلق نہ رکھنے والا شہری دانت پیسنے اور سر پیٹنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔

پاکستان کی انتظامیہ اور عدلیہ کی نااہلی کا اندازہ کریں کہ C-295 یعنی ناموس رسالت ایکٹ 1986ء میں نافذ العمل ہوا۔ اس قانون کے تحت سینکڑوں مقدمات درج ہوئے لیکن ملزموں کو یا تو عدالتوں نے قرار واقعی سزا نہ دی اور اگر عدالتوں نے قانون کے مطابق سزا سنا بھی دی تو انتظامیہ اُس سزا پر عمل درآمد کرنے میں ناکام رہی۔ گویا کوئی ایک شاتم رسول بھی اُس انجام تک نہ پہنچا جس کا وہ سزاوار تھا یعنی لوگوں کے جذبات بے دردی سے کچل دیئے گئے۔ جس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اڑتیس (38) گستاخانِ رسول کو لوگ خود کسی نہ کسی طرح جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ قارئین کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ C-295 کے تحت مقدمہ درج کرانے کے لیے بہت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اندراجِ مقدمہ کو بڑا پیچیدہ

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

20 تا 26 ذوالحجہ 1441ھ جلد 29
11 تا 17 اگست 2020ء شمارہ 25

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بنایا گیا ہے۔ پہلے پولیس کے اعلیٰ عہدہ دار اچھی طرح چھان پھٹک کرتے ہیں، تب کہیں جا کر اِس قانون کے تحت مقدمہ درج ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر مقدمہ درج ہونے سے پہلے کافی حد تک اِس بات کا اہتمام کرلیا جاتا ہے کہ کوئی غلط مقدمہ درج نہ ہو جائے، لیکن پھر بھی اِس ایکٹ کے تحت سزا یعنی سزائے موت کسی کو نہیں دی گئی۔ اُلٹا سیکولرز اور لبرلز اِس قانون ہی کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ عذر تراشتے ہیں کہ یہ قانون بہت misuse ہوتا ہے یقیناً کسی قانون کو misuse نہیں ہونا چاہیے لیکن کیا صرف یہ قانون misuse ہوتا ہے؟ مثلاً قانون کی دفعہ 302 قتل عمد پر بروئے کار آتی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق جتنی قانون کی یہ دفعہ misuse ہوتی ہے کوئی دوسری قانون کی دفعہ اتنی misuse نہیں ہوتی تو کیا قانون کی دفعہ 302 ختم کر دی جائے۔ پھر یہ کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں نام نہاد مذہبی سکالرز اور نیم مُلّا قسم کے لوگوں کو بلا کر بیہودہ قسم کے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن میں گستاخِ رسول کی سزا کا کوئی ذکر نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر مسلمان کے دل میں اپنے محبوب ﷺ کی محبت یوں جاگزیں کردی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اپنا مال اور اپنی جان آپ ﷺ کی ناموس کی حفاظت میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے! وہ اللہ رب العزت جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی مقدس ہستیوں کو تنبیہہ کرتا ہے کہ میرے رسول ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بولے تو تمہارے تمام اعمال حبط کر لیے جائیں گے، کیا وہ کسی ایرے غیرے کو یہ اجازت دے سکتا ہے کہ اُس کے محبوب ﷺ کی شان میں گستاخی کرے؟ قرآن میں شاتمِ رسول کی سزا جاننے کے لیے قرآن کو دل کی آنکھوں سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیا منکرین حدیث یہ بتانا ضروری سمجھیں گے کہ پنج وقتہ نماز اور رکوع وسجود کی یہ ترتیب قرآن میں ہے؟ زکوٰۃ کا ذکر جگہ جگہ ہے لیکن کیا کہیں لکھا ہوا ہے کہ اڑھائی فیصد دی جائے؟ مسلمان کہلوانے کے لیے کلمہ کہیں یکجا آیا ہے؟ کیا اذان کے الفاظ قرآن میں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جس ہستی ﷺ نے اِن سب چیزوں کا تعین کیا تھا اُس ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کے باوجود گستاخِ رسول کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور عبدالعزیٰ ابن خطل جب غلاف کعبہ میں چھپ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اُسے وہاں سے نکال کر قتل کردو۔

مسئلہ قرآن میں گستاخِ رسول کی سزا کے ہونے کا نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ حکمران طبقہ، ہمارے سیکولر دانشور اور ہمارے نام نہاد مذہبی سکالرز اور نیم ملّا شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ اِس لیے کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس دشمنوں کے رکیک حملوں سے محفوظ نہیں رہتی تو اسلام کے محفوظ رہنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دشمن روح محمد ﷺ کو مسلمان کے جسم سے نکالنا چاہتا ہے اور ہمارے ''تعلیم یافتہ جاہل'' نام نہاد دانشور اُس کے ممد ومعاون بنے ہوئے ہیں۔ اور اب کی بار تو مقتول ملعون امریکی شہریت کا حامل تھا بہرحال ہم ایک بار پھر اپنی اس سوچ اور فکر کا اعادہ کریں گے کہ کسی شہری کو قانون ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے لیکن حکومت اگر حالات کو سنوارنے میں سنجیدہ ہے تو سن لے، باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار۔ مسلمان بہت کچھ برداشت کرسکتا ہے، محمد عربی ﷺ کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ محبت، یہ جذبہ ایک سیل رواں کی مانند ہے جسے تھام لینا ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسے طوفان کی طرح ہے جس کے سامنے حکومتیں اور دیگر قوتیں تنکے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا حکومت اس کی زد میں آنے سے بچے اور اِس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ نہ صرف 295-C کو مِن وعَن قائم رکھا جائے بلکہ مقدمے کے اندراج میں غیر ضروری رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور جن پر الزام ثابت ہو جائے اُنھیں فوری طور پر تختہ دار پر لٹکایا جائے اس تمام گفتگو کے بعد ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عام شہریوں کو قانون ہاتھ میں لینے سے روکنے کے لیے اور ریاستی سطح پر قانون کی بالادستی قائم کرنے کے لیے 295-C کا عملی تعطل ختم کرنا ہوگا اور اُسے فعال بنانا ہوگا وگرنہ غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ شہید کے جانشین پیدا ہوتے رہیں گے اور اِن تمام وارداتوں کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔ مولانا ظفر علی خاں کا یہ شعر ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے ؎

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

انسدادِ سود کی تحریک میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور تنظیم اسلامی کا کردار بنیادی اور اہم نوعیت کا ہے: حافظ عاطف وحید

قائداعظم پاکستان کی معیشت کو مغربی اصولوں پر نہیں بلکہ اسلامی اصولوں پر استوار دیکھنا چاہتے تھے: مولانا زاہد الراشدی

سودی نظام کے خاتمے اور متبادل نظام کی تلاش میں ہماری حکومتیں اور ادارے مخلص ہیں اور نہ ان میں اتنی صلاحیت ہے: ایڈووکیٹ قیصر امام

سود اور اس کے خلاف جدوجہد کی تاریخ کے موضوعات پر
حالاتِ حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد رفیق چودھری

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں سود کی جامع تعریف کیا ہے؟

حافظ عاطف وحید: اگر ہم قرآن کی روشنی میں سود کو جاننا چاہیں تو قرآن مجید نے جس سود کو منع کیا ہے وہ قرض پر لیا جانے والا مشروط اضافہ ہے، جو پہلے سے طے ہو۔ قبل از اسلام عام طور پر یہ دستور تھا کہ مدت کے بڑھنے کے ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا تھا جیسا کہ آج کے دور میں کمپاؤنڈنگ ہوتی ہے۔ یہ وہ شے تھی جو دور جاہلیت میں رائج تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے دعوت کا آغاز کیا تو مکی دور میں ہی اس حوالے سے قرآن میں آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ ”اور جو کچھ تم دیتے ہو سود پر تاکہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں تو اللہ کے ہاں اس میں کوئی بڑھوتری نہیں ہوتی۔“ (الروم:39)

یہ پہلی آیت تھی جو ربا کی ممانعت میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں آپ ﷺ کا سابقہ یہود کے ساتھ پیش آیا۔ مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ ایک قبیلہ تو خالصتاً سود کا ہی کاروبار کرتا تھا۔ اس وقت بھی اللہ کی طرف سے براہ راست تنبیہ آئی جس میں فرمایا کہ ان کے دیگر جرائم و مظالم میں سے ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ سود میں ملوث ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دور آیا جب مسلمانوں کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ﴾ ”اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا“ (آل عمران:130)

یعنی سود در سود (کمپاؤنڈ انٹرسٹ) جو وقت کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے‘ اس سے بھی منع کیا گیا اور پھر آخر میں وہ آیات نازل ہوئیں جن میں ہر قسم کے سودی لین دین سے منع کر دیا گیا۔ قرآن مجید نے سود کو ایک ایسی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جسے اس دور کے لوگ پہلے سے جانتے تھے اور اس کی وضاحت کی الگ سے ضرورت نہیں تھی اور وہ یہی تھا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو صرفی ضرورت کے لیے یا کاروباری سرگرمی کے لیے قرض دے تو واپس اضافے کے ساتھ لے۔ ہر دو صورتوں میں قرآن نے یہ حکم دے دیا کہ اب قرض پر اضافہ تمہارے لیے حرام ہے۔ اس کے بعد وہ آیات بھی نازل ہوئیں جن میں کہا گیا کہ اگر سود سے باز نہیں آتے تو پھر اللہ و رسول ﷺ کا تمہارا خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ﴾ ”پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔“ (البقرہ: 279)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں سود کے حوالے سے مزید وضاحتیں فرمائیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ربا تو ادھار اور قرض کے ضمن میں تھا لیکن اس سے ملتا جلتا ایک عمل اور بھی ہے جس کو اُس دور کے لوگ ربا کے طور پر نہیں پہچانتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی وضاحت فرما دی۔ اسے ٹیکنیکل زبان میں ربا الفضل کہا جاتا ہے۔ یہ ربا اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دو ہم جنس اشیاء (جیسے کھجور کے بدلے میں کھجور یا سونے کے بدلے میں سونے) کا تبادلہ ہو اور ایک طرف سے زیادہ تولا جائے اور دوسری طرف سے کم تولا جائے۔ حدیث کی رو سے یہ اضافہ بھی ربا ہے اور یہ حکم اصل میں قرآنی حکم ہی کی ایک ایکسٹینشن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں چھ اشیاء (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ ان کا جب تم تبادلہ کرو تو لازم ہے کہ برابری پر کرو۔ چاہے کوالٹی کا فرق ہی کیوں نہ ہو تب بھی اگر تمہیں ڈائریکٹ تبادلہ کرنا ہے تو برابری کی بنیاد پر کرنا ہوگا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ برابری نہ ہو کیونکہ ایک شے زیادہ اچھی کوالٹی کی ہے دوسری طرف کم کوالٹی کی شے ہے تو پھر تمہیں چاہیے کہ تم براہ راست تبادلہ نہ کرو بلکہ کسی دوسرے میڈیم کو استعمال کرو۔ قرآن وحدیث کے ان احکامات کی روشنی میں اگر ہم ربا کی جامع تعریف کریں تو وہ یہ ہوگی کہ: ”کسی بھی ایک نوع کی اشیاء کا تبادلہ چاہے ادھار کی صورت میں ہو یا نقد‘ اگر برابری پر نہیں ہوگا تو وہ اس میں ربا پیدا ہو جائے گا جو کہ حرام ہے۔“ جیسے قرض میں روپے کے بدلے میں روپیہ اضافے کے ساتھ دیا جائے تو وہ ربا ہے۔ اس میں یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ ہوسکتا ہے کہ جس وقت روپیہ قرض کے طور پر دیا گیا ہو اس وقت اس کی قدر زیادہ تھی لیکن لیتے وقت اس کی قدر میں کمی آگئی ہو‘ اس لیے کہ عالمی ریٹ آف ایکسچینج بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن حکم یہ ہے کہ جتنا روپیہ تم نے قرض دیا ہے اتنا ہی واپس لو۔ یعنی کوالٹی کو نہیں دیکھنا بلکہ مقدار کو دیکھنا ہے۔ ادھار کے ضمن میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ:

﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾﴾ ”اور اگر تم توبہ کر لو تو پھر اصل اموال تمہارے ہی ہیں۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“ (البقرہ:279)

یعنی کہ جو راس المال تم نے دیا تھا۔ بس وہی تم واپس لے سکتے ہو۔

سوال: اگر کوئی بغیر پہلے سے طے کیے اپنی مرضی سے قرض کے ساتھ اضافہ لگا کر دے دیتا ہے تو کیا یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے؟

حافظ عاطف وحید: قرض کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا عمل یہ تھا کہ جب آپ ﷺ قرض ادا کرتے تھے تو بہتر ادا کرتے تھے۔ یہ کوئی معاہداتی التزام نہیں تھا بلکہ یہ اپنی خوشی سے تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں بہتر ہوں۔ بہر حال اس طرح کا اضافہ سود کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ سود کے زمرے میں وہی آئے گا جو طے شدہ ہو جس کے بارے میں دونوں پارٹیز کو پہلے سے پتا ہو کہ جب واپس ہوگا تو اتنا زیادہ ہوگا۔ اس کی ہر شکل دین نے حرام کر دی، یہاں تک کہ بظاہر وہ قرض نہ بھی ہو، ہم جنس اشیاء کا تبادلہ ہو اس میں بھی عدم مساوات کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا اور اسے بھی ربا قرار دیا۔ بلکہ اس حوالے سے حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: ''یہی تو ربا ہے''۔ یعنی اس کی اصل اور بنیاد وہی ہے کہ جو قرض کے سود کی ہے۔ وہ اجناس جن کے تبادلہ پر ربا کا حکم جاری ہو سکتا ہے ان کو اموال ربویہ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں چھ اشیاء کا ذکر آیا لیکن فقہا نے اس کی علت تلاش کی کہ ان کے اندر کا من فیکٹر کیا ہے تا کہ باقی چیزوں کے اوپر بھی اپلائی کیا جائے۔ اس ضمن میں احناف کی رائے کافی سائنسی ہے کہ وہ چیزیں جو تولی جانے والی ہیں یا ناپی جانے والی ہیں وہ اموال ربویہ ہیں، یعنی مکیلات اور موزونات۔ کیل برتن کے اس پیمانہ کو کہتے تھے جس سے اس وقت اجناس کو ناپا جاتا تھا، آج بھی دیہاتوں میں اس طرح کے پیمانے ہوتے ہیں، یعنی وہ تول کر اجناس کا تبادلہ نہیں کرتے بلکہ وہ پیمانوں سے ناپ کرتے ہیں۔ اسی طرح موزونات وہ ہیں جن کا تول کر تبادلہ کیا جاتا ہے۔ ان دونوں طرح کی چیزوں کے تبادلہ میں اگر ایک طرف اضافہ کیا جائے گا تو یہ ربا ہے اور اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ چیزیں جو بطور کرنسی اور زر کے استعمال ہوتی ہیں جیسے آج کل روپیہ ہے، جو نہ تولہ جاتا ہے اور نہ برتنوں میں ناپا جاتا ہے بلکہ یہ گنا جاتا ہے یہ معدودات میں سے ہے۔ لیکن چونکہ یہ بطور میڈیم آف ایکسچینج استعمال ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی اموال ربویہ میں شامل ہے۔ ان تمام اموال ربویہ کا تبادلہ برابری کی بنیاد پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ ادھار کی صورت میں ہو یا نقد کی صورت میں۔

سوال: کیا ربا، Usury اور انٹرسٹ میں کوئی فرق ہے؟

حافظ عاطف وحید: یہ بہت اہم سوال ہے کیونکہ اس حوالے سے بہت ساری الجھنیں بھی پیدا ہوتی ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگ اپنا مطلب بھی نکال لیتے ہیں' اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ربا عربی زبان کا لفظ ہے، جبکہ سود فارسی سے آیا ہے اور اُردو میں بھی مستعمل ہے۔ انٹرسٹ اور Usury انگریزی زبان کے الفاظ ہیں۔ ان میں لغت کا فرق تو ہے کہ یہ الفاظ مختلف لغات کے ہیں لیکن ربا، انٹرسٹ یا Usury دراصل ایک ہی شے ہیں۔ مغرب کی تاریخ میں دیکھا جائے تو وہاں بھی سارے بائبلی مذاہب میں حرام رہا ہے بلکہ بائبل میں اس کی برائی اور قباحت جس طرح بیان ہوئی ہے اور جو سرزنش وہاں بیان ہوئی ہے اتنی سرزنش شاید قرآن مجید میں بھی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس کا اتنا زیادہ پھیلاؤ اس وجہ سے ہوا کہ وہاں سود step by step اس پورے

> جسٹس تنزیل الرحمان نے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے شکایت کی کہ ہم نے بہت محنت سے ایک رپورٹ تیار کی لیکن حکومت اس کو لوگوں کے سامنے نہیں لا رہی بلکہ اس کو سرد خانے میں ڈالا ہوا ہے۔

فکر اور نظریہ میں داخل ہوا ہے۔ پہلے step میں انہوں نے کہا کہ سود ہے تو حرام' لیکن وہ اپنے بھائیوں (یعنی بنی اسرائیل) میں حرام ہے جبکہ دوسرے لوگ (یہود کی نظر میں gentiles and goyims) چونکہ کامل انسان نہیں ہیں لہٰذا ان کا مال اور ان کی جان لینا مباح ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے اپنی مذہبی لیڈرشپ سے غیر یہود سے سود کا کھانے کا فتویٰ حاصل کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بھیجے گئے تو اس وقت کرنسی چینجرز کا کاروبار عروج پر تھا۔ آپ نے اس کے خلاف سخت تنبیہات بھی کیں۔ لیکن اس کے باوجود یہود نے غیر یہود سے سود کھانے کا کاروبار پھیلا دیا۔ اس کے بعد دوسرا step وہ تھا جب تیرہویں صدی عیسوی میں انٹرسٹ اور Usury میں فرق کیا گیا کہ Usury کو شرعاً اور قانوناً حرام و ناجائز سمجھا گیا جبکہ انٹرسٹ کو انہوں نے حرام سمجھنا ترک کر دیا بلکہ اس کے جواز کے لیے راہیں نکال لیں۔ کہا گیا کہ جو زیادہ شرح سود ہے جیسے مہاجنی سود ہوتا ہے وہ Usury ہے اور وہ جائز نہیں ہے لیکن اگر ایک اوسط سا ریٹ آف ریٹرن لے لیا جائے تو وہ انٹرسٹ ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ چنانچہ Compensation کے نام پر ایک جواز کی شکل پیدا کی گئی کہ ایک آدمی اگر پیسہ اپنے پاس رکھے تو وہ اس سے کچھ کما بھی سکتا ہے' اس کی عزت بھی بڑھے گی لیکن اگر وہ پیسہ کسی دوسرے کو عارضی طور پر دے دیتا ہے تو لینے والے کو اس کا معاوضہ دینا چاہیے۔ چاہے یہ معاوضہ افراطِ زر کی شرح کے تناسب سے ہو یا معمولی ریٹس پر ہو۔ پھر اس کے ریٹس بھی مقرر کیے گئے، کہیں 4 فیصد اور کہیں 6 فیصد انٹرسٹ ریٹ مقرر کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ ربا یا Usury نہیں ہے بلکہ یہ معاوضہ ہے۔ لیکن اگر ہم اس کو قرآن مجید اور حدیث کے معیارات پر پرکھیں گے تو ان میں سب سے پہلے Usury کے تصور کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪﴾ ''اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا'' (آیت:130)

اس لیے کہ یہ سوائے ظلم کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد جب حکم آ گیا کہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو' اگر تم واقعی مؤمن ہو'' (البقرۃ:278)

تو وہاں حکم میں علی الاطلاق ہر قسم کے اضافے یعنی ربا کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن وحدیث کے دلائل کی رو سے اس کی ممانعت اور حرمت کے پہلو سے کوئی فرق نہیں ہے چاہے وہ انٹرسٹ ہو، Usury ہو' یہ سب کے سب اللہ کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں اور ان سے بچنے کا حکم ہے۔

سوال: پاکستان میں اسلامی مالیاتی نظام کا نفاذ کیسے ممکن ہے؟

مولانا زاھد الراشدی: یہ بالکل طے شدہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام اور اسلامی مالیاتی نظام کا از سرِ نو ماڈل دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے قائداعظم اور دوسرے قائدین کی تقریریں بالکل واضح ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سٹیٹ بنک کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظم نے دوٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا تھا کہ میں پاکستان کی معیشت کو مغربی اصولوں پر نہیں بلکہ اسلام کے اصولوں پر استوار دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مغربی سودی معیشت نے دنیا کو جھگڑوں اور تنازعات کے سوا کچھ نہیں دیا۔ قائداعظم کا یہ ارشاد صرف قیام پاکستان کا نظریاتی پس منظر ہی نہیں بلکہ قیام پاکستان کے بعد معاشی پالیسی کے طور پر بھی بالکل واضح کرتا ہے کہ

پاکستان کے معاشی نظام کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہوگی۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم قائد اعظم کی تعلیمات کو، قیام پاکستان کے مقصد کو، نبی اکرم ﷺ کی سنت اور اسلامی شرعی احکام کو بالکل نظرانداز کرتے ہوئے مغربی نظام معیشت میں دھنستے چلے جارہے ہیں اور اس میں جکڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ مغربی دنیا میں غیر سودی بینکاری کی باتیں ہورہی ہیں لیکن ہمارے ہاں اسی سودی نظام کو مستحکم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے اداروں، افراد، طبقات کو اس مجموعی طرز عمل پر نظرثانی کرتے ہوئے قرآن وسنت کے تقاضوں، پاکستان کے نظریاتی مقاصد اور قائد اعظم کے ارشادات کے مطابق اسلامی معاشی پالیسی کی طرف آنا چاہیے۔

سوال: کیا سابقہ اور موجودہ حکومتوں نے پاکستان میں اسلامی مالیاتی نظام کے لیے کوشش کی ہے؟

مولانا زاہد الراشدی: اس وقت جو بین الاقوامی مالیاتی نظام ہے یا اس کا جو طریقہ کار ہے اس سے بچنے کی ہم کوشش نہیں کر رہے بلکہ بین الاقوامی معاہدات اور جکڑ بندی میں مزید دھنستے چلے جارہے ہیں اور ان کی نئی نئی پابندیاں قبول کرتے جارہے ہیں۔ میرے خیال میں اسلامی اور قومی لحاظ سے یہ بات بالکل درست نہیں ہے۔

سوال: دور حاضر میں پاکستان میں جاری اسلامی بینکنگ کیا شریعت کے تقاضے پورے کرتی ہے؟

مولانا زاہد الراشدی: میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اب بین الاقوامی طور پر غیر سودی بینکاری کی بات چل رہی ہے۔ گزشتہ پاپائے روم پوپ بینی ڈکٹ کی کمیٹی نے بھی غیر سودی بینکاری کی بات کی تھی۔ مغربی ادارے غیر سودی بینکاری کی طرف نظریاتی یا تہذیبی بنیاد پر نہیں آرہے بلکہ اس بنیاد پر آرہے ہیں کہ آئی ایم ایف کی رپورٹ کے مطابق غیر سودی بینکاری میں منافع کے چانسز زیادہ ہیں اور خطرات کم ہیں۔ اس لیے وہ اس کو معاشی فائدے کے طور پر لے رہے ہیں۔ لیکن اسلامی بینکاری سسٹم کی بنیاد ایک عقیدے پر ہے، ایک نظریہ پر ہے۔ اسلامی بینکاری کی طرف آنے سے پہلے ہمارے لیے دو مراحل اور ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ موجودہ نظام سے ہم نکل نہیں سکتے، زیادہ سے زیادہ بچ سکتے ہیں۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ غیر سودی بینکاری کی جو لہر ہے اس میں ہمارے کون سے فائدے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں پھر ہمیں جاننا ہوگا کہ اسلامی معاشی نظام کیا ہے؟ اسلامی نظام اس وقت ہوگا جب اسلامی ریاست ہوگی اور اسلامی قوانین کی عمل داری ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں تدریجی مراحل کے تحت سودی بینکاری سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن اصل مرحلہ تو وہ ہے کہ اسلامی نظام قائم ہوگا اور آئیڈیل معاشی نظام خلافت راشدہ کی بنیاد پر بنے گا۔

سوال: کیا ملک سے سود کے خاتمے کی جدوجہد کامیاب ہوپائے گی؟

مولانا زاہد الراشدی: ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمام مکاتب فکر مل کر کوشش کریں۔ وفاقی شرعی عدالت نے جو سوالنامہ جاری کیا تھا' ملی مجلس شرعی اور تحریک انسداد سود کے تحت ہم نے کوشش کی کہ اس کا جواب متفقہ ہو۔ الحمدللہ! ہم نے اس میں کامیابی حاصل کی تاکہ یہ نہ کہا جاسکے کہ ہمارے اندر اتحاد نہیں ہے۔ ہم نے اس حوالے سے علماء میں اتفاق رائے اور یکساں موقف کا اظہار کیا۔ اس سے اگلا مرحلہ عوامی تحریک کا ہے۔ اس کے لیے ہم مختلف جماعتوں سے رابطے میں ہیں۔ اللہ کرے کوئی صورت نکل آئے۔

> مغربی دنیا میں غیر سودی بینکاری پر غور کیا جا رہا ہے لیکن ہمارے ہاں اسی سودی نظام کو مستحکم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

سوال: کیا بینک سے ملنے والا منافع اور انٹرسٹ سود کے زمرے میں آتا ہے؟

مولانا زاہد الراشدی: اس حوالے سے سپریم کورٹ فیصلہ کر چکا ہے اور میرے نزدیک وہ آخری فیصلہ ہے کہ یہ سب ربا کے دائرے میں آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سپریم کورٹ، وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل نے جو واضح فیصلے دیے ہیں ہمیں ان سے ہٹنا نہیں چاہیے اور انہی کی بنیاد پر ہمیں بات کرنی چاہیے۔

حافظ عاطف وحید: مولانا نے بہت عالمانہ جواب دیا ہے۔ بینک انٹرسٹ کے ضمن میں ایک مغالطہ تھا۔ ایک دور میں بینک انٹرسٹ کے حوالے سے جب فتوے لیے گئے تو جامعہ ازہر کے کچھ اہل فتویٰ نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ بینک انٹرسٹ اصل میں کاروبار کا ایک منافع ہے لہٰذا یہ حرام نہیں ہے۔ بعد میں انہی اہل فتویٰ نے اپنے اس فتوے سے رجوع بھی کیا لیکن ابتدائی طور پر انہوں نے یہ فتویٰ اس لیے جاری کیا تھا کہ پوچھنے والے نے پوچھا اس انداز سے تھا کہ جس سے اہل فتویٰ کو یہ سمجھ آئی کہ کچھ لوگ بینک میں اپنا پیسہ جمع کراتے ہیں، بینک اس پیسے کو کاروبار میں لگاتا ہے، کاروبار سے جو منافع ہوتا ہے وہ بینک کو ملتا ہے، بینک اس منافع میں سے اپنا حصہ رکھ کر باقی کھاتہ داران میں تقسیم کردیتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح پوچھنے سے دراصل پیغام یہ گیا کہ بینک میں جمع کرایا گیا پیسہ قرض نہیں بلکہ کاروبار میں لگایا گیا پیسہ ہے تو فتویٰ دینے والوں کو مغالطہ ہوا۔ بجائے اس کے اگر یوں پوچھا جاتا کہ کھاتہ دار کا پیسہ بینکوں کے ذمے واجب الادا ہوتا ہے۔ چاہے نقصان ہوجائے تب بھی بینکوں کو یہ پیسہ واپس کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح بینک جو قرض لوگوں کو دیتا ہے وہ لازماً اضافے کے ساتھ واپس لوٹانا ہوتا ہے (اگر یوں پوچھا جاتا) تو یہ بات اتنی واضح تھی کہ اس کے اوپر کوئی دوسرے رائے دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ بینک کا لین دین' چاہے وہ سیونگ اکاؤنٹ ہو یا کرنٹ اکاؤنٹ ہو یہ سب کے سب قرض کے Instruments ہیں۔ اس لیے کہ بینک میں جو شخص بھی پیسہ جمع کرتا ہے وہ اس معاہدے کے تحت جمع کرتا ہے کہ اس کا اصل زر محفوظ رہے گا اور اس پر اس کو اضافہ بھی ملے گا اور بینک اس شرط کو مان کر کسی کھاتہ دار سے پیسہ لے رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بینک کسی کو قرض دیتا ہے تو اس معاہدے کے تحت دیتا ہے کہ اسے اتنے فیصد اضافے کے ساتھ لوٹانا ہوگا۔ یہ قرض کی مختلف شکلیں ہیں اور قرض میں ایک روپیہ کا اضافہ بھی سود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس پر وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا فیصلہ بھی موجود ہے۔

سوال: عدلیہ میں سود کے خاتمے کے حوالے سے کیس کس سٹیج پر ہے؟

ایڈووکیٹ قیصر امام: اس کیس پر بات کرنے سے پہلے ہمیں اس کے پس منظر کو جاننا ہوگا۔ پاکستان کے اندر اکانومی کا ماڈل مغرب سے آیا ہے۔ جب جنرل ضیاء الحق آئے تو وہ قوانین کو اسلامائز کرنے کے ساتھ ساتھ عدلیہ کو بھی اسلامائزیشن کی طرف لے گئے۔ چنانچہ 1978ء میں انہوں نے ہائی کورٹس کے اندر شریعت کورٹس بنوائیں تاکہ شریعت کے متعلقہ ایشوز کو دیکھا جاسکے۔ یہ سلسلہ آگے چلا اور 1980ء میں آئین میں ترمیم کرکے ایک شق 3-A کا اضافہ کیا گیا۔ یہ شق وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار پر بحث کرتی ہے کہ وہ ہر قانون کو چیک کرسکتی ہے کہ آیا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں اور اگر یہ اس کے مطابق نہ ہو تو وفاقی شرعی عدالت حکومت کو ہدایت کرسکتی ہے کہ وہ اس قانون کو اسلام کے

مطابق بنائے۔ اگر حکومت ایسا نہ کر سکے تو وہ قانون کالعدم ہو جائے گا۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت کو جب یہ اختیار دیا گیا تو ساتھ ہی اسے پابند بھی کر دیا گیا کہ آپ مالیاتی ایشوز کو دس سال تک چھیڑ نہیں سکتے۔ 1990ء میں جب یہ عرصہ ختم ہوا تو وفاقی شرعی عدالت میں بہت ساری پٹیشنز داخل ہوئیں جن کے ذریعے وہ سارے قوانین چیلنج کر دیے گئے جو سود کو جائز قرار دیتے تھے۔ اس پر وفاقی شرعی عدالت نے 1991ء میں اپنا فیصلہ سنا دیا کہ سود کی ہر شکل حرام ہے۔ اس فیصلے میں وفاقی حکومت کو بھی ہدایت کی گئی کہ سود کو جائز قرار دینے والے تمام قوانین کو بدل کر اسلامی بنائے۔ لیکن وفاقی حکومت نے اس پر عمل کرنے کی بجائے اُلٹا اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی جو تقریباً آٹھ سال سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ میں پڑی رہی اور بالآخر میں 1999ء میں اس کا فیصلہ آ گیا جس میں کہا گیا کہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بالکل درست ہے اور اس میں اپنے بہت سارے ایڈیشنل نوٹس بھی دیے کہ اس کا متبادل کیا ہو سکتا ہے اور پھر حکومت کو وقت دیا کہ اتنے عرصے میں آپ ان قوانین کو ختم کر کے اپنا ایک متبادل نظام بنائیں۔ لیکن حیران کن طور پر اس کے بعد وفاقی حکومت بھی خاموش ہوگئی۔ لیکن 2002ء میں اچانک شریعت اپیلٹ بینچ کا نظر ثانی شدہ فیصلہ سامنے آ گیا جس میں شریعت اپیلٹ بینچ کے سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے معاملے کو دوبارہ شریعت کورٹ میں بھیج دیا اور کہا گیا کہ شریعت کورٹ نے ان ان پہلوؤں پر فیصلہ نہیں دیا تھا لہٰذا اس پر دوبارہ فیصلہ دیا جائے۔ اس کے بعد 2002ء سے 2020ء تک یہ معاملہ شریعت کورٹ میں ہی زیر التواء ہے۔ 2013ء میں ایک دفعہ فکس ہوا، دوبارہ سوالات دیے گئے اور 2015ء سے اس کی باقاعدہ سماعت شروع ہوئی لیکن بدقسمتی سے ہمارے قانون میں شریعت اپیلٹ بینچ کے جج صاحبان کی تعیناتی ایک خاص مدت کے لیے ہوتی ہے۔ جب مقررہ بنچ اس کیس کی سماعت شروع کرتا ہے تو ابھی سماعت مکمل بھی نہیں ہوتی کہ ججوں کی ریٹائرمنٹ کی وجہ سے وہ بنچ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر نیا بینچ بنتا ہے اور پھر پٹیشنز فکس ہوتی ہیں اور سماعت مکمل ہونے سے پہلے ہی بنچ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح یہ کیس ابھی تک زیر التواء ہے۔ آخری پیش رفت اس کیس میں یہ ہوئی ہے کہ شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر ہم نے دلائل دیے ہیں۔ کیونکہ دوسری طرف سے یہ اعتراض آیا تھا کہ شریعت کورٹ کو اس کیس کی سماعت کا اختیار نہیں ہے لہٰذا اس کیس کو واپس کر دیا جائے۔ لیکن ہم نے بحث سے شریعت کورٹ کے اختیار کو ثابت کیا اور اس طرح ہماری بحث سے مطمئن ہو کر آگے میریٹس کے اوپر پروسیجر شروع کیا گیا۔

سوال: کب تک اس کا فیصلہ متوقع ہے؟

ایڈووکیٹ قیصر امام: اس حوالے سے ہم کوئی ٹائم فریم نہیں دے سکتے کیونکہ گزشتہ تین دہائیوں سے یہ معاملہ چل رہا ہے اور آج بھی یہ کیس وہیں پر کھڑا ہے جہاں 1990ء میں کھڑا تھا۔

سوال: سود کے خاتمے کے حوالے سے عدالتی فیصلے میں تاخیر کی کیا وجوہات ہیں؟

ایڈووکیٹ قیصر امام: میرا ذاتی طور پر خیال یہ ہے کہ ایک اسلامک اکانومسٹ جس طرح سوچتا اور سمجھتا ہے کہ اگر ہم سود کے بغیر مالیاتی نظام لے کر آتے ہیں تو اس میں بھی ہم دنیا کے ساتھ چل سکتے ہیں اس طرح ہماری حکومتیں اور ادارے اس حوالے سے حل ڈھونڈنے میں مخلص ہیں اور نہ ہی وہ مغربی سوچ سے باہر نکلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سوال: کیا حکومتوں اور مالیاتی اداروں کی جکڑ بندیاں کیس کی پیش رفت میں اصل رکاوٹ ہیں؟

ایڈووکیٹ قیصر امام: ہم نے کیس آئین وقانون کی رو سے فائل کرنا ہوتا ہے۔ آئین میں لکھا ہوا کہ شریعت کورٹ اسلامی سیاق وسباق کی روشنی میں دیکھے گی کہ کوئی قانون اسلام کے مطابق نہیں ہے تو وہ اس کو کالعدم قرار دے گی۔ آئین میں کہیں نہیں لکھا ہوا کہ جب شریعت کورٹ کسی قانون کو کالعدم قرار دے گی تو اس کا متبادل بھی خود پیش کرے گی۔ بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جب شریعت کورٹ کسی قانون کو کالعدم قرار دے دے تو حکومت متبادل قانون لے کر آئے جو اسلام کے مطابق ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ 1990ء میں جب یہ کیس عدالت میں گیا تھا تو اس وقت عدالت میں جو ماڈلز پیش کیے جا رہے تھے وہ سارے کے سارے کتابی تھے، ان میں سے کوئی بھی ماڈل کسی جگہ عملی طور پر رائج نہیں تھا۔ لیکن موجودہ صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اس وقت عملی طور پر بہت سارے ایسے ماڈلز موجود ہیں جو نہ صرف اسلامک بینکنگ کی شکل میں فیلڈ میں موجود ہیں بلکہ کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں لیکن حکومت کی شاید کچھ اور مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے اس میں اتنی جرأت پیدا نہیں ہو رہی کہ وہ اس معاشی نظام کو اپنائے جسے ہم قانونی اور اسلامی سمجھتے ہیں۔

سوال: انسداد سود کیس کے حوالے سے عدالت میں کی گئی بحث کا خلاصہ کیا ہے؟

ایڈووکیٹ قیصر امام: اب تک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عدالت نے ہمیں تقریباً سولہ سترہ سوالات دیے کہ سود کا مطلب کیا ہے؟ ربا کا مطلب کیا ہے؟ قرض میں ربا کیا ہوتا ہے وغیرہ۔ ان سارے سوالات کے جوابات عدالت میں جمع ہو چکے ہیں اور اب عدالت اس بات کے اوپر بحث کر رہی ہے کہ چونکہ انٹرسٹ کا لفظ ہمارے آئین میں بھی بہت جگہوں پر استعمال ہوا ہے لہٰذا اگر فیڈرل شریعت کورٹ کسی قانون میں لفظ انٹرسٹ کی تشریح کرے گی تو آیا آئین میں جو لفظ انٹرسٹ ہے اس کی تو تشریح نہیں کر رہی ہوگی جو کہ اس کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس ایشو پر چار پانچ دفعہ دلائل دیے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد آخری بنچ نے اس بحث کو ختم کر کے میریٹس کے اوپر جانے کا عندیہ دیا ہے اور اب بنیادی طور پر اس بات کا تعین کیا جانا ہے کہ ربا کی تعریف کیا ہے؟ اور مختلف قوانین میں ربا کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ اس تعریف پر پورا اُترتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پورا اُترتے ہوں گے تو وہ کالعدم قرار پائیں گے ورنہ باقی رہیں گے۔

سوال: بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے انسداد سود کے لیے جو کوششیں کی ہیں ان سے ہمارے رفقاء واحباب کو آگاہ فرمائیے۔

حافظ عاطف وحید: اس پورے پراسس کو ہم مختلف مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا مرحلہ 1991ء سے پہلے کا ہے، دوسرا مرحلہ 1991ء تا 1999ء کا ہے، تیسرا مرحلہ 1999ء تا 2012ء کا ہے اور چوتھا مرحلہ 2012ء سے اب تک کا ہے۔ 1991ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ سے پہلے کا جو مرحلہ ہے اس میں سب سے بڑا اور دقیع کام اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ ہے۔ دراصل 1969ء میں ایک قرارداد پاس کی گئی تھی کہ بینک انٹرسٹ ربا ہے جو کہ غیر اسلامی ہے۔ 1977ء میں ضیاء الحق صاحب نے ایک آرڈیننس کے ذریعے اسلامی نظریاتی کونسل سے متبادل نظام کا مطالبہ کیا۔ جس پر 1980ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک مفصل رپورٹ تیار کر کے حکومت وقت کو پیش کر دی۔ یہ رپورٹ پاکستان میں پہلا آفیشل ڈاکومنٹ ہے جس کو نافذ ہونا تھا۔ لیکن اس رپورٹ کو کہیں پر دبا لیا گیا تھا۔ اس موقع پر جسٹس تنزیل الرحمان جو اس رپورٹ کے مصنفین میں سے تھے، نے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے شکوہ کیا تھا کہ ہم نے بہت محنت سے ایک رپورٹ تیار کی لیکن حکومت اس کو لوگوں کے سامنے نہیں لا رہی بلکہ اس کو سردخانے میں ڈالا ہوا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحبؒ نے صدر

جنرل ضیاء الحق صاحب سے مل کر یہ مطالبہ کیا کہ اس ادارے کے اوپر قوم کا پیسہ لگا ہے، اس نے اتنی محنت سے جو رپورٹ تیار کی ہے وہ سامنے کیوں نہیں لائی جا رہی؟ اس کے نتیجے میں وہ رپورٹ پبلش ہوئی اور اس کو منظر عام پر لانے میں بانی تنظیم اسلامی کا بہت اہم رول تھا۔ چونکہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا اصل کام اسلامی انقلاب کی جدوجہد اور قرآن کی دعوت کو پھیلانا تھا اس لیے انہوں نے اس معاملے میں عدالتی کارروائیوں میں باقاعدہ حصہ نہیں لیا لیکن باہر رہ کر بھی وہ لوگوں کو اس حوالے سے آگاہ کرتے رہے۔ پھر 1990ء سے جب اس کی سماعت کا آغاز ہوا اور 91ء میں جب اس کا فیصلہ آیا تو یہ وہ مرحلہ تھا جب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن فیڈرل شریعت کورٹ کے جج تھے۔ ان کی جتنی اس معاملے میں کاوشیں تھیں ان میں ڈاکٹر صاحبؒ کی معاونت بھی جاری رہی۔ پھر جب فیصلہ آ گیا تو ڈاکٹر صاحبؒ نے آگے بڑھ کر اس کو ویلکم کیا اور حکومت وقت کو ہمت دلانے کی کوشش کی کہ آپ عملی اقدامات کریں گے تو ان شاء اللہ اس سے خیر برآمد ہوگی۔ لیکن ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ حکومت خود اس فیصلے کے خلاف اپیل میں چلی گئی جس پر ڈاکٹر صاحبؒ نے بہت شدت کے ساتھ لوگوں کو آگاہ بھی کیا اور حکومت کو متنبہ بھی کیا کہ آپ نے اپیل کر کے اپنے آپ کو اللہ سے جنگ کے لیے پیش کر دیا ہے اور اس جنگ کا کیا انجام ہوگا یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اس دوران مختلف حکومتیں آتی جاتی رہیں اور پھر نواز شریف صاحب نے 1997ء میں دو تہائی اکثریت کے ساتھ حکومت بنائی تو ڈاکٹر صاحبؒ نے انہیں اپنے پرانے وعدے یاد دلائے۔ شریف برادران اپنے والد میاں محمد شریف صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کے لیے آئے اور ان سے مشاورت کی۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے انہیں پورا پروگرام دیا کہ آپ لوگوں نے معیشت کے میدان میں سود اور جوئے کے خاتمے کے لیے یہ کچھ کرنا ہے۔ انہوں نے باقاعدہ وعدہ کیا کہ ہم اس سلسلے میں پیش رفت کریں گے۔ اس کے لیے انہوں نے ''کمیشن آف اسلامائزیشن آف اکانومی'' کے عنوان سے ایک کمیشن بنایا جس کا چیئرمین راجہ ظفر الحق صاحب کو بنایا گیا۔ اس کمیشن نے کافی علمی اقدامات کیے اور بڑی مفصل رپورٹس تیار کیں جو بہت قیمتی ہیں۔ یعنی حکومتی لیول پر کافی کام ہوا۔ پھر 1999ء میں جب یہ معاملہ وفاقی شرعی عدالت میں گیا تو ڈاکٹر صاحبؒ نے بنفس نفیس عدالت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں اگرچہ اس فیلڈ کا آدمی نہیں ہوں کہ کوئی ماہرانہ رائے دے سکوں لیکن میں اس مسئلے کی اہمیت اور نزاکت کو اُجاگر کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ پاکستان کے وجود، بقاء اور ہماری آئندہ نسلوں کی بہتری کے لیے سود کا خاتمہ کتنا ضروری ہے۔

الحمدللہ! 1999ء میں جب میں اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا تھا تو اس وقت ہم نے کورٹ کی راہنمائی کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس میں' میں بھی شامل تھا اور اس کی ڈرافٹنگ میں میرا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ ہم نے ایک input کورٹ کو دی ہے جس کا ٹائٹل ہے: IIIF's Blueprint of Islamic Financial System. اس میں تنظیم اسلامی کی نمائندگی کرتے ہوئے میں اس کاوش میں شریک رہا۔ یہ 1990ء سے لے کر 1999ء تک کا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد وہ مرحلہ آیا جس کے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ فیصلہ اللہ کی طرف سے ہم پر حجت تھی کہ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے بھی وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو درست تسلیم کر لیا۔ کورٹ کا فیصلہ بارہ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ جسٹس خلیل الرحمان، جسٹس مفتی تقی عثمانی، جسٹس وجیہہ الدین، ڈاکٹر محمود احمد غازی اور جسٹس منیر اے شیخ جیسی بڑی معروف اور قابل شخصیات اس بینچ کا حصہ تھیں۔ لیکن اس کے بعد پھر زوال کا دور آیا۔ سب سے پہلے 2001ء میں حکومت کی طرف سے ڈیڈلائن کو بڑھانے کی درخواست آئی۔ وہ ایک سال پہلے بڑھائی گئی۔ پھر 2002ء میں اس فیصلے کو set aside کر کے معاملہ واپس وفاقی شرعی عدالت کی جانب ریمانڈ کیا گیا۔ اس کے بعد اگلا دور شروع ہوتا ہے جس میں 2012ء تک وفاقی شرعی عدالت نے اس ریمانڈ شدہ کیس کو سماعت کے لیے فکس نہیں کیا۔ یہ دس سال بہت قیمتی تھے، اتنی مدت میں تو قوموں کے فیصلے ہو جاتے ہیں۔ پھر 2012ء میں تنظیم اسلامی کی طرف سے وفاقی شرعی عدالت میں ایک درخواست دائر کی گئی کہ یہ کیس کافی عرصے سے آپ کے پاس ریمانڈ ہو کر زیر التواء ہے ازراہ کرم اس کو سماعت کے لیے فکس کریں تاکہ اس کا کوئی فیصلہ ہو سکے۔ لیکن آغاز میں کورٹ نے یہ کہہ کر اس درخواست کو مسترد کر دیا کہ آپ اس کیس کے فریق نہیں ہیں۔ لیکن 2013ء میں ہم نے پھر ایک نئی درخواست دی اور کہا کہ چاہے ہم فریق نہیں ہیں لیکن ہم اس ملک کے شہری کی حیثیت سے اس ملک کے آئین اور قانون کے پابند ہیں لہٰذا ہم ایک آئینی پوزیشن رکھتے ہیں کہ اس کیس کی سماعت کے لیے درخواست دیں۔ چنانچہ وہ درخواست سماعت کے لیے قبول ہوئی۔ 2013ء سے ہم باقاعدہ اس کیس کا حصہ بنے اور ہم ایک پٹیشنر کے طور پر اس کیس کی سماعت میں شریک ہوتے ہیں۔ کچھ وکلاء ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ قیصر امام صاحب جماعت اسلامی کی طرف سے نمائندگی کرتے ہیں۔ اب جب بھی سماعت کے لیے بلایا جاتا ہے تو ہم حاضر ہوتے ہیں۔ ہم نے چودہ سوالات کے جوابات بھی مرتب کر کے عدالت میں جمع کرائے ہیں۔ پھر میں ذاتی طور پر خود بھی پٹیشنر بنا' تاکہ ضرورت پڑنے پر میں وہاں کورٹ کو دلائل دے سکوں۔ جتنی بھی اس وقت تک سماعتیں ہوئی ہیں' میں ان کا عینی شاہد ہوں۔

سوال: اس کیس میں ملک کی ایک اعلیٰ عدلیہ نے فیصلہ دیا تھا کہ ''سود آپشنل ہے''۔ آپ کے خیال میں یہ فیصلہ کیسا ہے؟

حافظ عاطف وحید: اصل میں 2015ء میں ہم نے یہ محسوس کیا کہ وفاقی شرعی عدالت اس کیس کے فیصلے کے لیے شاید کسی نتیجے تک نہیں پہنچ پا رہی تو کیوں نہ ہم آئین کی دفعہ F-38 کو بنیاد بنا کر سپریم کورٹ میں درخواست دیں۔ اس لیے کہ سپریم کورٹ آئین کی کسٹوڈین ہے۔ چنانچہ ہم نے درخواست جمع کرائی اور F-38 کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا موقف پیش کیا کہ آئین میں سود حرام ہے لیکن حکومت اس کو عملی لحاظ سے ختم نہیں کر رہی۔ لہٰذا سپریم کورٹ اس معاملے میں حکومت پر دباؤ ڈالے۔ چنانچہ اس موقع پر یہ المناک معاملہ پیش آیا کہ آغاز میں اس درخواست کو بھی بعض ٹیکنیکل وجوہات کو بنیاد بنا کر رد کر دیا گیا۔ اس کے بعد پھر ہم نے جواب جمع کرایا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے جو وجوہات جمع کرائی ہیں ان کو ہم قبول کرتے ہیں لیکن ان کی کھلی سماعت نہیں ہوگی۔ اس موقع پر ہمارے وکلاء نے دلائل دیے جو قانون اور شریعت کی روشنی میں تھے۔ اس موقع پر ایک جج صاحب نے یہ ریمارکس بھی دیے کہ کیا ہم کورٹ میں مدرسے قائم کر دیں۔ سود جس نے لینا ہے وہ لے جس نے نہیں لینا وہ نہ لے وغیرہ۔ گویا وہ لیت ولعل سے کام لینا چاہ رہے تھے کیونکہ وہ اس معاملے میں کوئی پوزیشن نہیں لینا چاہ رہے تھے۔ بالآخر انہوں نے یہ کہہ کر ہماری درخواست رد کر دی کہ یہ معاملہ پہلے سے وفاقی شرعی عدالت میں زیر سماعت ہے لہٰذا آپ اپنا موقف وہاں پیش کریں۔

❁❁❁

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جاسکتی ہے۔

سودی نظام کا متبادل نظام موجود ہے۔ اہل علم نے متبادل معاشی اداروں کا نہ صرف خاکہ پیش کیا ہے بلکہ ان کو عملی طور پر چلایا بھی جارہا ہے: ڈاکٹر عتیق الظفر خان

شریعت نے معیشت میں جہاں استحصالی اور ناجائز چیزوں کو حرام قرار دے کر ظلم و ناانصافی کا راستہ روکا وہاں متبادل کے طور کئی جائز راستوں کو کھولا تاکہ انسانیت کو فائدہ پہنچے: حافظ عاطف وحید

سودی نظام کا متبادل اسلامی معاشی نظام کے موضوعات پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

سوال: سودی نظام کا متبادل اسلامی معاشی نظام کیا ہے اور کوئی ملک اپنی معیشت کو اسلامی سانچے میں کیسے ڈھال سکتا ہے؟

ڈاکٹر عتیق الظفر خان: اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور معاشی نظام اس کا جزو ہے۔ کسی ایک جزو کو مکمل طور پر اسلامی نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کل نظام اسلامی اصولوں کے تابع نہ ہو۔ سیاسی، معاشرتی، معاشی، تعلیمی نظام مل کر ایک اسلامی نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔ بہر حال اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کل نظام درست نہیں تو جزو کو بھی غلط اصولوں پر چھوڑا جائے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاشی نظام کی اصلاح کی کوششیں کی جاسکتی ہیں اور بہت سارے ملکوں میں کی گئی ہیں اور وہاں متبادل اسلامی ادارے قائم کیے گئے۔ جب ہم اسلامی معاشی نظام کی بات کرتے ہیں تو اس میں اور مروجہ معاشی نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مروجہ معاشی نظام انسانوں کے تخلیق کردہ ہیں، چاہے سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم ہو جبکہ اسلامی نظام قرآن وسنت پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قواعد وضوابط کی پابندی کے ساتھ ہوتا ہے۔ معاشی نظام، معاشی اداروں اور قوانین کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اسلامی معاشی نظام میں بھی معاشی ادارے ہوں گے، اس میں زراعت، صنعت، تجارت اور مالی لین دین وغیرہ سب کچھ ہوگا۔ مالی لین دین کے لیے ادارے بھی ہوں گے جیسے آج کل بینک ہیں لیکن ان کی نوعیت وہ نہیں ہوگی جو مروجہ نظام میں ہے۔ مروجہ نظام میں یہ سارے ادارے سود کی بنیاد پر کام کرتے ہیں جبکہ اسلامی نظام میں سود حرام ہے لہٰذا وہاں سود کے بغیر سارے معاملات ہوتے ہیں۔ ایسے بہت سارے ادارے تشکیل پا چکے ہیں اور اہل علم نے اس معاملے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں کہ متبادل معاشی اداروں کا نہ صرف خاکہ پیش کیا ہے بلکہ ان کو عملی طور پر چلایا بھی جارہا ہے۔ ان اداروں میں اسلامی بینکاری کے ادارے بھی شامل ہیں، انشورنس کے متبادل تکافل کمپنیز بھی ہیں، اسی

مرتب: محمد رفیق چودھری

طرح سے بانڈ کے متبادل صکوک کا نظام لایا گیا ہے۔ غرض یہ کہ بہت سارے اہم اداروں کے متبادل وجود میں آگئے ہیں۔ لیکن بات وہی ہے کہ جب تمام نظام، قرآن وسنت کے اصولوں کی روشنی میں تشکیل نہ پائیں تو ایک جزو سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مکمل طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق کام کرے گا شاید دشوار عمل ہے۔ بہر حال جس حد تک کوشش ہوسکتی ہے وہ کی جانی چاہیے۔

سوال: سودی نظام کو اسلامی معاشی نظام میں کیسے تبدیل کیا جاسکتا ہے؟

حافظ عاطف وحید: اصل میں اسلام کا پورا نظام اعتقادات پر مبنی ہے۔ عقیدۂ توحید صرف جزوی سا نظریہ نہیں ہے بلکہ معاشی میدان کے لیے بھی یہی عقیدہ ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی معاشی میدان میں تطبیق یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہر شے کا مالک ہے۔ اسی بات کو قرآن نے اس انداز سے بیان کیا کہ گویا انسان کی ملکیت کی نفی کردی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ”اللہ ہی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔“ (البقرہ: 284)

واشگاف الفاظ میں فرمادیا کہ زمین وآسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ اعلیٰ صفات کے انسان وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ﴾ ”اور وہ تو خود پر ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو خواہ ان کے اپنے اوپر تنگی ہو۔“ (الحشر: 9)

چاہے ان کو خود فقر وفاقہ لاحق ہوجائے لیکن وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ یہ آج کے دور کے نظریۂ حیات سے بالکل مختلف شے ہے۔ آج کا نظریہ تو یہ ہے کہ میرا مال ہے، میں جہاں چاہوں اسے لگاؤں۔ میرا اپنا سیلف انٹرسٹ ہے میں اس کے مطابق جو چاہوں فیصلہ کروں۔ میرا منافع ہے میں اس کے لیے جو مرضی کروں۔ البتہ جس معاملے میں کسی دوسرے کے دائرہ کار میں داخل ہو رہا ہوں وہاں کچھ ضابطے میں نے ملحوظ رکھنے ہیں ورنہ میں خود اپنی ذات میں خود کفیل ہوں، خود مکتفی ہوں اور فیصلہ کرنے کا مجاز ہوں۔ جبکہ حقیقت میں انسان خود اللہ کی ایک مِلک ہے۔ اس لیے آج کے نظریات کی بنیاد پر قائم نظامِ معیشت ومعاشرت کی اسلام کے نظریات اور نظام سے کوئی مطابقت نہیں ہے۔ اگر اسلام کے صحیح اصول وضوابط کو نافذ کرنا ہے تو اس کے لیے اعتقادی طور پر صحیح نظریات کو ذہن نشین کرانا لازم ہے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو موجودہ معیشت میں بہت کم چیزیں مطابقِ دین معلوم ہوں گی۔ یعنی اگر اسلامی عقائد اور نظریات لوگوں کے ذہنوں میں رائج ہوں گے تو اس سے جو رویہ وجود میں

آئے گا وہ بالکل مختلف ہوگا۔ مثلاً اس میں دوسرے کی مدد کرنا زیادہ مستحسن بات ہوگی اور اپنے منافع ہی کو اہمیت دینا ایک معیوب شے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح انسان میں ہمدردی، خیرخواہی اور غمگساری کے جذبات پیدا ہوں گے اور اس کے رویے میں بھی فرق آئے گا۔ لیکن اگر دورِ حاضر کے معاشی نظریہ کے اندر عقلیت پسندی کا جو بنیادی مفروضہ ہے اس کو قائم اور باقی رکھتے ہوئے اسلام کے حلال وحرام کا جائزہ لینا شروع کر دیا تو آپ کو ایسے ہی محسوس ہوگا کہ یہ کسی اور دور کی باتیں ہورہی ہیں اور اس کا اس دور سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ پہلی چیز یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی نظامِ حیات اور نظامِ معیشت کے لیے نظریاتی اور اعتقادی سطح پر کام کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ بنیادی ماخذ ہیں۔ ان کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام ایک وسیع مضمون ہے لیکن ہم زیادہ تر اس کے مالیاتی حصے کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں۔ اسلام کے معاشی ماڈل کو سامنے رکھیں تو کسی انسان کے لیے کمرشل موٹیو رکھنا فی نفسہٖ حرام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کاروبار کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ حلال طریقے پر ہو۔ ملازمت کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح مضاربت جو مشارکہ کی ایک شکل ہے اس کے ذریعے سے بھی کمائی کی اجازت ہے۔ لہٰذا مالیاتی سطح پر جب پیسے کا لین دین ہوگا تو اس میں قرض اصلاً کمرشل موٹیو کا ذریعہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ قرض کو اللہ نے بنایا ہی کسی دوسرے کی مدد کرنے کے لیے ہے۔ اسے اپنے معاشی فائدے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اسی لیے ایک بڑی تعجب خیز حدیث اس حوالے سے موجود ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کا سفر کرایا گیا اور مختلف مشاہدات کرائے گئے تو آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا کہ ایک جگہ پر جنت کے دروازوں پر لکھا ہے کہ صدقہ دینے والوں کے لیے 10 گنا اجر ہے اور قرض دینے والے کے لیے 18 گنا اجر ہے۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس پر تعجب کا اظہار فرمایا اور حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت جبرائیلؑ نے وضاحت فرمائی کہ جو شخص صدقہ وخیرات مانگتا ہے تو بسا اوقات اس کے پاس ہوتا بھی ہے تب بھی مانگتا ہے جبکہ قرض مانگنے والا انتہائی مجبوری کی وجہ سے قرض مانگتا ہے۔ کیونکہ قرض مانگنا شریعت نے پسند نہیں کیا الا یہ کہ انسان کی سخت مجبوری ہو لیکن منع بھی نہیں کیا۔ البتہ اسے کمرشل مفادات کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ دوسروں کی مدد کا ذریعہ بنایا ہے۔ اب اگر کسی کے پاس اضافی پیسہ ہے اور اس سے کوئی دوسرا کاروبار کرنا چاہتا ہے تو وہ کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پیسے والا اگر نفع میں شریک ہوگا تو نقصان میں بھی شریک ہوگا۔ اس کے لیے حدیث میں ایک واضح اصول بتا دیا گیا کہ: ((الخراج بالضمان)) یعنی ''نفع اٹھانے کا استحقاق نقصان اٹھانے کی ذمہ داری قبول کرنے پر ہے''۔ یہ بنیادی اصول ہے۔ اس کو فقہ اسلامی میں ایک اور انداز میں بیان کیا گیا کہ: ''اگر تم نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو تمہیں نفع اٹھانے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔''

سوال: اسلام میں شراکت کے کاروبار میں نقصان کون برداشت کرے گا؟

حافظ عاطف وحید: اسلام کے مطابق دو طرح کی شراکت ہو سکتی ہے۔ جب کاروبار میں شامل تمام پارٹیز پیسہ لگاتی ہیں تو یہ شراکت داری یا مشارکہ کی ایک قسم ہے۔ پھر فقہ میں مشارکہ کی مزید اقسام بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً ان میں سے کوئی پارٹی پیسہ لگانے کے ساتھ ساتھ محنت بھی کر رہی ہے جبکہ دوسری پارٹی صرف پیسہ لگا رہی ہے اور محنت نہیں کر رہی۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام پارٹیز محنت بھی کر رہی ہوں تو یہ ساری مشارکہ کی اقسام ہیں اور ان کے اپنے ضابطے ہیں۔ جب منافع ہوگا تو شراکت دار طے شدہ Profit sharing ratio کے مطابق آپس میں شیئر کر لیں گے۔ البتہ اگر نقصان ہوگا تو جس پارٹی نے جس تناسب سے پیسہ لگایا ہے اسی تناسب سے وہ اس نقصان میں بھی شریک ہوگی۔ شراکت کی دوسری قسم مضاربہ ہے جس میں ایک پارٹی پیسہ لگاتی ہے جبکہ دوسری پارٹی محنت کرتی ہے۔ پیسہ لگانے والے کو رب المال کہا جاتا ہے جبکہ محنت کرنے والے کو مضارب کہا جاتا ہے۔ اس کیس میں منافع پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم ہوتا ہے اور اگر نقصان ہو تو پیسے والا پیسے کا نقصان برداشت کرے گا اور محنت والا اپنی محنت کا نقصان برداشت کرے گا۔

پس معلوم ہوا کہ اگر آپ اپنا پیسہ اس لیے دے رہے ہیں تا کہ سود کی مد میں کچھ کما سکیں تو اس صورت میں شرعاً آپ ایک پیسہ کا بھی فائدہ اٹھانے کا حق نہیں رکھتے لیکن اگر یہی پیسہ آپ کاروبار کے لیے دیتے ہیں تو آپ کے لیے منافع کے راستے کھلے ہیں بشرطیکہ آپ نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوں۔ چنانچہ سودی نظام کے متبادل اسلامی ماڈل یہی ہے کہ آپ شراکت داری کے ذریعے سے منافع کمائیں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالیں۔ اس کے علاوہ کاروبار کی اور شکلیں بھی ہو سکتی ہیں جو کہ شریعت نے جائز قرار دی ہیں، ان میں ایک شکل اجارہ بھی ہے۔ شریعت میں اجارہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اجارۃ الاشیا اور دوسرا اجارۃ الاشخاص ہے۔ اجارۃ الاشیاء یہ ہے کہ اگر آپ کی ملکیت میں کوئی پراپرٹی ہے یا گاڑی وغیرہ ہے تو وہ آپ کسی دوسرے کو اُجرت پر دے سکتے ہیں۔ البتہ اس کی کچھ شرائط ہیں کہ اس کا کرایہ طے ہونا چاہیے، اس کی مدت طے ہو۔ اگر اس ذریعے سے کوئی شخص کماتا ہے تو اللہ اور رسول ﷺ نے اپنے فرامین میں اس کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی۔ اسی طریقے سے تجارت میں اللہ نے دسیوں راستے کھول دیے۔ بیع سلم، بیع مرابحہ، بیع مساومہ، بیع بتأجیل الثمن وغیرہ سب جائز تجارتیں ہیں۔ گویا دین نے سود کا راستہ اگر بند کیا ہے تو اس کے متبادل ماڈل کی اساسات بھی دی ہیں۔ اسلام نے معیشت میں ناجائز راستوں کو بند کیا ہے اور جائز راستوں کو کھولا ہے۔ جیسے قمار، جوا، سٹہ ان سب چیزوں کا راستہ بند کیا ہے۔ اسی طرح اسلام میں غرر کا راستہ بھی بند ہے۔ جسے آپ چانس منی کہتے ہیں یعنی ہیڈ یا ٹیل سے پیسہ کمانا۔ اس لیے کہ یہ سب انسانی استحصال کی مختلف شکلیں ہیں اور اسی وجہ سے ان چیزوں سے لوگوں کے درمیان کینہ، بغض اور عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسلام میں حرام اشیاء کا کاروبار بھی منع ہے۔ یہ قدغنیں بیع وشراء کے ضمن میں لگائی گئی ہیں۔ وگرنہ بیع وشراء کے بارے میں قرآن کا واضح حکم ہے کہ: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ﴾ ''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام ٹھہرایا ہے۔'' (البقرۃ: 275) شریعت نے معیشت میں استحصالی اور ناجائز چیزوں کے راستے بند کیے تا کہ کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی اور ناانصافی نہ ہو اور جائز راستوں کو کھولا ہے تا کہ انسانیت کو فائدہ پہنچے۔

سوال: سود کے متبادل نظام میں ممالک اور اداروں سے لیے گئے قرضوں کا کیا حل نکالا جائے؟

حافظ عاطف وحید: اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت یہ قرضے پاکستانی معیشت پر ایک بڑی مہیب صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اب اس کے ضمن میں بڑے فیصلے کرنے پڑیں گے۔ پہلا فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ آئندہ

کوئی سودی قرض نہ لیا جائے۔ نیز آئندہ کے لیے ان سے مذاکرات کیے جائیں، ان سے کچھ give and take والا معاملہ کر کے جان چھڑائی جائے۔ دنیا کے بہت سے ممالک نے اپنے قرضوں کو ریٹائر کرنے کے لیے جو مختلف سکیمیں اختیار کی ہیں ان کا جائزہ لیا جائے کہ ان میں سے ہم کون کون سکیمیں اختیار کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر لاطینی امریکی ممالک نے ایک دور میں Debt for Equity Swap کیا تھا کہ ہمارے قرضوں کے متبادل کے طور پر ہماری equity لے لیں اور اپنے مفادات کا تحفظ کر لیں۔ اس پر سود دینے کا معاملہ ختم ہو گیا۔ ایکویٹی موجودہ دور میں ایک بہت بڑے کاروبار کا ذریعہ ہے۔ جتنی بھی کمپنیاں اور فرمز ہیں ان کو ایک ایکویٹی چاہیے ہوتی ہیں۔ آج کل ایک اور بھی طریقہ عام ہو رہا ہے جسے BOT کہا جاتا ہے کہ آپ کسی دوسرے ملک میں کوئی چیز تعمیر کر کے اپنی کمائی کریں اور بالآخر ایک مدت کے بعد وہ چیز اس ملک کو لوٹا دیں۔ یہ سارے طریقے ہیں جو ہمارے کریڈیٹرز کے ساتھ ڈسکس ہو سکتے ہیں۔ ایک اور بات عرض کر دوں کہ ایسا نہیں ہے کہ اسلامی اصولوں سے صرف ہم ہی واقف ہیں بلکہ عالمی مالیاتی ادارے بھی واقف ہیں، انہوں نے اپنے متبادل پلانز رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں پیپرز لکھے جا رہے ہیں۔ ایک تو انہوں نے یہ دیکھا کہ اسلامی بینکنگ کے نام پر دنیا میں جو ایسٹ بیسڈ بینکنگ ہو رہی ہے اس سے کیا فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ وہ تجزیے ان کے پاس موجود ہیں کہ اس سے ایک عام لینڈنگ اور بارونگ کی بجائے ایک ٹریڈنگ بیسٹ سرگرمی بینکنگ لیول پر سامنے آئی جو کہ دنیا میں بالکل نئی ہے۔ اس پر دنیا بھر میں کام ہوا۔ اب وہ اس کے فوائد کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اگر کسی ملک میں کوئی ایسا فیصلہ آ جائے جس سے ان قرضے ڈوبنے کا خدشہ ہو تو اس صورت میں ان کے پاس متبادل آپشنز کیا ہوں گے؟ اس کے لیے انہوں نے غیر سودی آپشنز پر ریسرچ کی ہوئی ہے۔ یعنی پلان بی ان کے پاس موجود ہے۔ اس اعتبار سے سود کے متبادل نظام میں ممالک اور اداروں سے لیے گئے قرضوں کا یہ حل نکالا جا سکتا ہے کہ آپ مزید سودی قرضے نہ لیں، چاہے اس کے لیے کوئی بھی تکلیف اُٹھانی پڑے لیکن اس میں اللہ کی رضا شامل ہوگی، اسی میں ہمارا معاشی استحکام ہے اور اسی میں ہماری آئندہ نسلوں کا مفاد شامل ہے کہ ہم جس غلامی میں جکڑے جا رہے ہیں اس سے نکلنے کا امکان پیدا ہوگا۔ لہٰذا اس کے لیے قربانی دینے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ مجھے یہ یقین ہے کہ اس صورت میں اللہ ہماری ضرور مدد کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی حدود میں سے جب کوئی حد قائم ہوتی ہے، نافذ کی جاتی ہے تو اس کی اتنی برکت ہے جو چالیس دن رات کی بارش سے بھی بہتر ہے۔ یعنی ایسا علاقہ جو بالکل بنجر اور ویران ہو وہاں ایسی بارش کتنی بڑی نعمت ہوگی۔ ظاہر ہے نقشہ ہی بدل جائے گا۔ اسی طرح اگر ہم سودی معیشت سے جان چھڑا لیں گے تو اللہ کی طرف سے بے شمار برکات نازل ہوں گی۔

سوال: معاشی اسلامک ماڈل کے نفاذ میں رکاوٹ بدنیتی ہے یا نااہلی؟

ڈاکٹر عتیق الظفر خان: اس میں نیت کا معاملہ زیادہ درپیش ہے۔ اہلیت کی کمی الحمدللہ نہیں ہے کیونکہ ملک میں ایسے افراد کی کوئی کمی نہیں ہے کہ جنہوں نے لوگوں کو درپیش مختلف مسائل اور نظام میں موجود مختلف خامیوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل پیش کیا ہے۔ اصل مسئلہ حکمران طبقہ کا ہے کیونکہ نظام سے تمام تر فوائد سمیٹنے والا یہی طبقہ ہوتا ہے اور قانون سازی بھی انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی بہت سی سفارشات جو بہت تحقیق کے بعد تیار کی گئیں ان میں سے کوئی ایک بھی پارلیمنٹ تک قانون سازی اور تنفیذ کے لیے نہیں پہنچی۔ اسی طرح ملک کی دو مقتدر عدالتیں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعہ اپیلٹ بینچ نے بڑے واضح الفاظ میں ربا کے خلاف فیصلہ دیا اور حکومت کو یہ کہا کہ اس نظام کو فوری طور پر تبدیل کر کے قرآن وسنت پر مبنی معاشی نظام رائج کیا جائے۔ لیکن اس بات کو اب 29 سال ہو چکے ہیں۔ 1991ء میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ آیا تھا اور اب 2020ء آ گیا ہے وہ معاملہ ابھی تک لٹکایا گیا ہے۔ اصل مسئلہ نیتوں کا ہے۔ موجودہ نظام سے طبقہ اشرافیہ کے مفادات وابستہ ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ اگر اسلامی نظام آ گیا تو ان کو خود اپنے اوپر شریعت کو نافذ کرنا پڑے گا جس کے لیے وہ قطعاً تیار نہیں ہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں ان کے تعیشات ختم ہوں گے اور اختیارات پر قدغن لگے گی۔ جہاں تک اہلیت کا معاملہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے اندر اہل حضرات کی کوئی کمی نہیں ہے۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ملک جہاں جہاں اسلامی نظام کی کوششیں ہوئی ہیں، اسلامی اداروں کی تشکیل ہوئی ہے اس میں پاکستانی اسکالرز کا ایک واضح حصہ ہے جو تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بین الاقوامی ادارے AAOIFI کے چیئرمین پاکستان کے ایک عالم ہیں اور اس میں دنیا بھر کی نمائندگی ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کر کے معاشی استحکام حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر عتیق الظفر خان: دنیا میں جتنے بھی ترقی پذیر ممالک قرض کی بنیاد پر اپنی معیشت کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں ان میں سے کوئی ملک بھی ترقی نہیں پا سکا ہے اور وہ قرض کے جال میں جکڑے چلے گئے۔ اس کے نتیجے میں ان کی سیاسی آزادیاں بھی سلب ہو گئیں اور قرض دینے والے ادارے اور ممالک ان پر من مانی شرائط عائد کرتے ہیں اور منواتے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ معاملہ دوہرا ہے کہ ایک تو قرض پر مبنی معیشت ویسے ہی نقصان دہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کا وبال اس پر مستزاد ہے۔ ایک شخص جو اللہ تعالیٰ پر یقین ہی نہیں رکھتا وہ تو کہہ سکتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز منع ہے لیکن جو قرآن وسنت کو قانون کا بنیادی منبع تسلیم کرتے ہیں اور آئین میں لکھا ہوا ہو کہ ملک میں کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا تو ایسے لوگ اگر خلاف ورزی کریں تو یقیناً ان کی گرفت اور پکڑ بھی زیادہ سخت ہوگی۔ ہمارے قرض کا معاملہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک آ گیا ہے کہ ہمارے وسائل کا چالیس فیصد سود کی ادائیگی میں لگ جاتا ہے اور یہ کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا جا رہا ہے اور نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ پچھلے قرضوں کے سود کی ادائیگی کے لیے نئے قرضے لینے پڑتے ہیں اور یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ صورت حال جاری رہی تو بمشکل پانچ سال کے اندر ہمارے کل ریونیوز سود کی ادائیگی میں چلے جائیں گے اور باقی کسی کام کے لیے کوئی رقم نہیں بچے گی۔ یہ صورتحال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مریض وینٹی لیٹر پر ہو تو اس کو مصنوعی تنفس کے ذریعے زندہ رکھا جاتا ہے اسی طرح جب معیشت کسی گہرے حادثے کا شکار ہونے لگتی ہے تو یہ ادارے تھوڑا سا مزید قرض دے دیتے ہیں تاکہ مریض کا سانس چلتا رہے۔ صرف اس لیے کہ وہ اپنے قرضوں کی وصولی کو یقینی بنانا چاہتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ اپنے مفاد میں ہم پر ہر طرح کی پابندیاں لگاتے ہیں۔ جیسے فلاں ملک کے ساتھ تعلقات نہیں رکھنے، فلاں کے ساتھ رکھنے ہیں۔ اسی طرح پھر وہ ہمارے داخلی امور میں بھی مداخلت کرتے ہیں کہ ہماری پالیسیاں کیسی ہونی چاہئیں۔ خاص طور پر یہ پالیسیاں اسلام دشمن ہوتی ہیں۔ لہٰذا قرض والی معیشت اسلام کی رو سے

ہی نہیں بلکہ ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ جتنے بھی ترقی پذیر ممالک ہیں وہ سب اس قرض کے جال میں جکڑے ہونے کی وجہ سے ترقی کرنے سے محروم ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجے میں بھی ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب اور قہر کے حقدار ہیں اور مختلف طرح کی تباہیوں کا ہم سامنا کرتے ہیں۔ یعنی دونوں طرح کے مسائل ہمیں درپیش ہیں۔

سوال: ڈالرز میں لیے گئے قرض کی واپسی ڈالر کا ریٹ بڑھ جانے کے بعد کیسے ہوگی؟

حافظ عاطف وحید: اگر کسی نے ڈالر میں قرض دیا اور ڈالر ہی میں واپس لیا تو اس دوران ڈالر کا ریٹ بڑھ جانے سے اس کو جو فائدہ ہوا وہ سود نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے راس المال ہی اپنا واپس لیا ہے۔ مسئلہ اس صورت میں ہوگا جب ایک کرنسی کو دوسری کرنسی کے ریٹ کے ساتھ منسلک کر کے قرض لیا جائے۔ جیسے کوئی کسی کو روپے قرض میں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آج ڈالر کا یہ ریٹ ہے جب روپے واپس لوں گا تو اس دن کے ڈالر کے ریٹ کے حساب سے لوں گا۔ اس دوران اگر ڈالر کا ریٹ بڑھ گیا تو اس کے حساب سے جو زیادہ روپے واپس کرے گا وہ ایک رائے کے مطابق سود ہے۔ اسی طرح بعض اوقات قرض کو سونے کے ریٹ سے بھی منسلک کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ سونے کا ریٹ بڑھ جانے سے جو رقم آپ اضافی لوٹائیں گے وہ سود ہے۔ اس معاملے کو ٹیکنیکل ٹرم میں انڈیکسیشن بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ consumer کی باسکٹ CPI کی قیمتوں کا ایک ایوریج لیا جاتا ہے اور base year اور اس کے بعد کسی مستقبل کے سال کے ساتھ اس کو com pare کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں مستقبل کی ادائیگیوں کو انفلیشن کے اثرات کے حوالے سے ایڈجسٹ کرنے کے طریقے ہیں۔ لیکن قرآن میں حرمت ربا کا جو حکم آیا ہے وہی یہاں بھی لاگو ہوگا۔ جب قرض کا معاملہ ہے ہی مدد کرنے کا ذریعہ تو اس میں آپ کو اللہ سے 18 گنا اجر کی توقع رکھنی چاہیے۔ بجائے اس کے اس میں اس طرح کے سود وزیاں کے مواقع تلاش کرنا شروع کر دیں۔ اگر اس کا راستہ کھول دیا جائے تو پھر لوگ قرض کو ہر اس چیز کے ساتھ لنک کرنا شروع کریں گے جس کی قیمتیں تیزی سے بڑھ رہی ہوں۔ یہی چیز بالآخر سود اور سودی ذہنیت کی طرف لے جانے والی ہے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ نے کھجوروں کے تبادلے سے منع کیا جبکہ اونٹوں کی ایکسچینج کی اجازت فرمائی۔ اس حوالے سے کیا احکامات ہیں؟

حافظ عاطف وحید: ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ غزوے کی تیاری کر رہے تھے تو اس وقت اونٹوں کی ضرورت تھی۔ آپ نے ایک اونٹ کے بدلے میں دو اونٹوں کے وعدے پر اونٹ حاصل کیے۔ اس حوالے سے فقہ کے اندر بڑی بحثیں ہیں۔ اس میں دو چیزیں ہیں۔ ایک شے وہ ہوتی ہے جسے مثلی کہا جاتا ہے اور دوسری نوع وہ ہے جسے قیمی کہا جاتا ہے۔ مثلی وہ چیزیں ہیں جن کی مثل بازار میں دستیاب ہو۔ مثلاً گندم کی مثل گندم اور جو کی مثل جو بازار میں دستیاب ہوتی ہے۔ یہ چیزیں ناپ یا تول کر فروخت ہوتی ہیں۔ کرنسی بھی مثلیات میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن مثلی اشیاء کا جب بھی تبادلہ ہوگا تو وہ برابری کی بنیاد پر ہوگا کہ جتنا دیا اتنا ہی واپس لیا جائے گا۔ اس لیے کہ یہ اموال ربویہ ہیں۔ جبکہ جو قیمی اشیاء ہیں ان کی کوئی ایک قیمت نہیں ہوتی۔ ایک اونٹ اپنی خوبصورتی، عمر، وزن اور صحت کے لحاظ سے دوسرے اونٹ کے مساوی نہیں ہوتا۔ مختلف خصوصیات کی بنیاد پر ایک کی قیمت دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ اشیاء اموال ربویہ نہیں ہیں۔ ان کا ایک کے بدلے میں دو کا تبادلہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ایسا کیا۔

سوال: سود لینا تو غلط ہے جبکہ بعض دانشوروں کے مطابق سود دینا غلط نہیں ہے۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے۔

ڈاکٹر عتیق الظفر خان: ایسے دانشور حضرات جب قرآن کو حدیث کی مدد کے بغیر explain کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس طرح کے خیالات سامنے آتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ قرآن مجید میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۠﴾ ''اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا'' (آل عمران:130)

اس سے یہ اخذ کیا گیا کہ سود لینا منع ہے' دینے کی ممانعت نہیں آئی۔ حالانکہ صحیح مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے، اور ارشاد فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر ہیں۔

معلوم ہوا کہ سود لینے والا اور دینے والا دونوں گناہگار ہیں۔ اگر ایسے دانشوروں کے استدلال کو مانا جائے تو رشوت لینا بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ سورۃ البقرہ کی آیت 188 میں رشوت کے حوالے سے فرمایا:

''اور تم اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے ہڑپ نہ کرو اور اس کو ذریعہ نہ بناؤ حکام تک پہنچنے کا' تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ہڑپ کر سکو گناہ کے ساتھ' اور تم اس کو جانتے بوجھتے کر رہے ہو۔''

اس آیت کی رو سے رشوت دینا منع ہے جبکہ رشوت لینے کی ممانعت قرآن مجید میں کہیں نظر نہیں آتی۔ لیکن جب ہم حدیث کو دیکھتے ہیں تو وہاں بات کلیئر ہو جاتی ہے کہ: ((اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ فِی النَّارِ)) ''رشوت دینے والا اور رشوت کھانے والا دونوں جہنمی ہیں۔''

اسی طرح حدیث کی رو سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سود کھانا اور کھلانا دونوں حرام ہیں۔ یہاں تک کہ سودی لین دین کو لکھنے والا اور اس کا گواہ بھی گناہگار ہے اور ان چاروں کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لعنت فرمائی گئی ہے

سوال: کمپنیوں کے شیئرز اور سٹاک مارکیٹ کے متعلق قرآن وحدیث کے کیا احکامات ہیں؟

حافظ عاطف وحید: اصل میں ہماری شیئرز مارکیٹس اور اسٹاک مارکیٹس کی نوعیت سیکنڈری مارکیٹ کی ہے۔ مثلاً میں نے ایک کمپنی کے جتنے شیئرز خریدے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کے اتنے ہی فیصد ملکیتی حقوق رکھتا ہوں۔ اب اگر میں اس کمپنی سے نکلنا چاہتا ہوں تو اصولاً مجھے اسی کمپنی میں جانا چاہیے اور اپنے شیئرز فروخت کر کے اپنا پیسہ واپس لے لینا چاہیے۔ لیکن یہاں چونکہ سرمایہ دارانہ نظام ہے، اس کی اپنی سوچ اور عیاری ہے۔ لہٰذا اس میں اصول یہ بنا دیا کہ ایک دفعہ جو شیئرز خرید لے اور اس کا پیسہ کمپنی کے پاس آ جائے تو اب وہ واپس لینے کے لیے ہمارے پاس مت آئے۔ البتہ شیئر مارکیٹ میں جائے اور وہاں اپنے شیئرز اپنی ذمہ داری پر بیچ دے۔ کمپنی اس کی ذمہ دار نہیں ہے کہ تمہارے شیئرز نفع میں بکتے ہیں یا نقصان میں۔ اس لحاظ سے یہ شیئرز مارکیٹس ایک سیکنڈری حیثیت رکھتی ہیں اور یہ شراکت داری کے اُصولوں پر مبنی ہیں یا نہیں اس پر بھی ریسرچ ہونی چاہیے۔ چنانچہ شریعت میں شراکت داری کے جو اصول بیان ہوئے ہیں ان کے مطابق ایک آئیڈیل معاشی نظام میں سٹاک مارکیٹس کی شکل مختلف ہوگی۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا ہم کمپنیز کے شیئرز خرید سکتے ہیں یا نہیں خرید سکتے تو اس حوالے سے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ

کون کون سے شیئرز خریدنا جائز ہیں۔ اگر کوئی سودی ادارہ ہے یا کوئی حرام اشیاء بنانے والی کمپنی ہے، اسی طرح کوئی ایسی کمپنی ہے جس کی میجر فنڈنگ سودی ذرائع سے یا بینک کے قرض سے ہوئی ہے تو ایسے اداروں اور کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز نہیں ہیں۔ البتہ جس کا اصل بزنس حلال ہے اور اس کی فنڈنگ غیر سودی ذرائع سے ہوئی ہے اور اس نے شراکت کی بنیاد پر پیسہ اٹھایا ہوا ہے تو ایسے ادارے کے شیئرز خریدنا جائز ہے۔ لیکن اگلی بات یہ ہے کہ اب آپ نے اس کے شیئرز بیچنے ہیں تو اس کا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہونا چاہیے جو شریعت سے متصادم ہو۔ کیونکہ یہاں سٹاک مارکیٹ میں بھی اور کیپیٹل مارکیٹ میں بھی سٹہ، جوا بڑے پیمانے پر چل رہا ہے۔ اسی طرح اس میں بدلے کا کاروبار ہے، شارٹ سیلنگ ہے اور مارجن کے اوپر سیٹلمنٹ ہو رہی ہوتی ہے اور یہ ساری چیزیں جائز نہیں ہیں۔ لہٰذا شیئر خریدتے وقت دیکھیں کہ کون سا جائز ہے اور کون سا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی سٹاک شیئر خریدا ہے تو اب مارکیٹ کلیئر ہونے تک انتظار کریں اور پھر اس کو بیچیں لیکن بیچنے میں بھی دیکھیں کہ ناجائز طریقہ نہ ہو۔ اگر آپ نے وہی غلط طریقے اختیار کیے جو مارکیٹ میں رائج ہیں تو یہ ناجائز ہو جائے گا۔

سوال: انشورنس کے حوالے سے شریعت کے کیا احکامات ہیں؟

ڈاکٹر عتیق الظفر خان: انشورنس کے مروجہ نظام کے حوالے سے اہل علم کی طرف سے انفرادی طور پر بھی اور اسلامی تحقیق کے اداروں کی طرف سے مجموعی طور پر بھی غور وخوض کیا گیا ہے۔ جیسے پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ ہے۔ اسی طرح سعودی عرب میں ہیئۃ الکبار العلماء السعودیہ ہے، اوآئی سی کی فقہ اکیڈمی ہے۔ غرض یہ کہ مختلف اداروں نے اس معاملے میں غور وخوض کیا ہے اور تقریباً ہر جگہ سے ایک متفقہ رائے سامنے آئی کہ مروجہ انشورنس کا سسٹم بہت ساری شرعی قباحتوں کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ ان قباحتوں میں ربا کا پہلو ہے، غرر کا پایا جانا ہے، قمار سے مشابہت ہے اور اکل المال بالباطل کا معاملہ ہے جس کی ممانعت قرآن میں ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے مروجہ انشورنس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ البتہ اس کے متبادل کے طور پر تکافل کا نظام تجویز کیا گیا ہے جس میں امداد باہمی اور باہمی تعاون سے یہ کام ہوتا ہے۔ انشورنس میں ربا کی دونوں اقسام (ربا النسیئہ، ربا الفضل) کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جب ایک شخص کوئی پالیسی خریدتا ہے، جیسے گاڑی کی انشورنس کراتا ہے تو کچھ رقم بطور پریمیئم جمع کراتا ہے۔ جب اس کی گاڑی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو کمپنی کی طرف سے اس کو زرتلافی کے طور پر ادائیگی ہوتی ہے۔ یہ اصل میں رقم کا تبادلہ اضافی رقم کے ساتھ والا معاملہ ہے اور اسی لیے اہل علم نے اس کو ربا الفضل میں شامل کیا ہے۔ دوسرا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ انشورنس کمپنی جو رقم پریمیئم کی صورت میں جمع کرتی ہے اس کو عام طور پر سودی سرمایہ کاری میں لگاتی ہے اور اس سے سود حاصل کرتی ہے۔ یہ سود کی ہی قسم ربا النسیئہ ہوتی ہے۔ اس لیے انشورنس کو ناجائز بتایا گیا ہے۔

سوال: شریعت کی رو سے بینک کی جاب کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

> کوئی ایسا ادارہ یا کمپنی جس کی میجر فنڈنگ سودی ذرائع سے یا بینک کے قرض سے ہوئی ہو تو ایسے اداروں اور کمپنیز کے شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے۔

حافظ عاطف وحید: بینک کی جاب کی قباحتیں میں عرض کر دیتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ موجودہ دور کا کمرشل بینک بنیادی طور پر سودی نظام کا ایک آلہ کار ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے ادارے سے وابستگی اپنی جگہ ایک قابل اعتراض بات ہے۔ ایک مسلمان کی وابستگی ایک ایسے ادارے سے ہونی چاہیے جو دینی اعتبار سے صحیح بنیادوں پر کام کر رہا ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ کسی بھی ادارے کے اندر مختلف قسم کی Jobs ہوتی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو ان کے اصل کاروبار کو پروموٹ کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرے نچلے درجے کے ملازمین ہوتے ہیں۔ ان میں جو واضح طور پر سودی معاہدات کی تیاری اور ان کو لکھنے پڑھنے میں شامل ہوتے ہیں وہ براہ راست اس سودی معاہدہ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ بالکل جائز نہیں ہے۔ ان پر اسی حدیث کا اطلاق ہوگا جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے سودی لین دین کرنے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لین دین سے جتنے بھی افراد وابستہ ہیں وہ سب کے سب ملعون قرار دیے گئے ہیں۔ لہٰذا بینک جاب کا جواز ہی ختم ہو گیا۔ البتہ کوئی ایسا سٹاف ہے جس کا اس سارے معاہدے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کا اپنا عمل غلط نہیں ہے اور وہ صرف اپنی سروس کی اُجرت لے رہا ہے، تو وہ مجبوری کی حد تک تو کچھ عرصے کے لیے لے سکتا ہے لیکن اس احساس کے ساتھ کہ میں سودی ادارے سے وابستہ ہوں اور اس کی اُجرت میرے لیے پسندیدہ نہیں ہے۔

سوال: ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (HBFC) سے قرض لے کر گھر بنانا اور یہ رقم قسطوں میں واپس کرنا شرعی اعتبار سے کیسا ہے؟

ڈاکٹر عتیق الظفر خان: HBFC مکان بنانے کے لیے ایک شرح سود پر رقم بطور قرض دیتا ہے۔ اگرچہ وہ شرح کمرشل بینکوں کی نسبت کم ہوتی ہے لیکن بہرحال ہے تو سود ہی۔ لہٰذا یہ شرعی لحاظ سے حرام ہے۔ اس کا متبادل Diminishing Musharakah کی صورت میں اہل علم نے تجویز کیا ہے اور خود ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن میں بھی یہ نظام کافی عرصے تک چلتا رہا ہے۔ لیکن جب سپریم کورٹ میں سود کا مقدمہ چل رہا تھا تو وہاں پر ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے چیئرمین کو بلایا گیا اور ان سے سختی کے ساتھ یہ پوچھا گیا کہ آپ نے تو اسلامی نظام شروع کر دیا تھا پھر اس کو کس وجہ سے ترک کر دیا؟ اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ کس کے کہنے پر اس کو ترک کیا۔ البتہ Diminishing Musharakah میں اسلامی مالیاتی ادارے ہاؤس فنانسنگ کے لیے رقم فراہم کرتے ہیں جسے عربی میں مشارکہ متناقصہ کہتے ہیں اور یہ شراکت داری کے طریقے پر ہوتا ہے۔ اس کو علماء کی اچھی خاصی تعداد نے تسلی بخش اور جائز قرار دیا ہے۔ یہ نظام بڑی آسانی کے ساتھ سودی نظام کی جگہ لے سکتا ہے اور اگر یہ عملاً رائج ہو جائے تو یہ سہولت لوگوں کو سود کے بغیر میسر آجائے گی اور وہ آسانی کے ساتھ اپنے لیے رہائشی انتظام کر سکیں گے۔

سوال: کیا ملازمین کے GP-Fund پر ملنے والا اضافہ سود کے زمرے میں آتا ہے؟

حافظ عاطف وحید: جی پی فنڈ کے معاملے میں مختلف اداروں کے مختلف دستور ہیں۔ سرکاری اداروں کا ایک اپنا انداز ہے جبکہ پرائیویٹ اداروں کا اپنا اپنا انداز ہے۔ لیکن ان کے درمیان جو کامن فیکٹرز ہیں وہ یہ ہیں کہ تنخواہ میں سے ایک حصہ کاٹا جاتا ہے (اس میں کسی سودی انوسٹمنٹ کے ذریعے اضافہ ہو رہا ہوتا ہے) اور جب ریٹائرمنٹ ہوتی ہے تو ادارہ اپنے ملازم کو اپنی طرف سے یکطرفہ حصہ بھی دیتا ہے، وہ گویا ملازم کے لیے ایک طرح کا تحفہ ہے۔ اب ملازم کی تنخواہ میں جو حصہ کاٹا گیا اور جو

ادارے نے اپنی طرف سے تحفتاً دیا وہ تو جائز ہیں لیکن جو اضافہ کسی سودی سکیم کے تحت ہوا وہ حرام ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں دو رائے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگر تو یہ کٹوتی لازمی ہے اور آپ کے پاس اس میں کوئی اختیار نہیں ہے کہ یہ جو پیسہ کٹ گیا یہ آپ کا ہوا ہی نہیں تھا، جب آپ کا ہوا ہی نہیں تو یہ ادارے کے ذمہ قرض بھی نہیں بنا۔ چنانچہ اس میں جو اضافہ ہوا ہے وہ آپ کے کسی قرض پر اضافہ نہیں ہے لہٰذا آپ اس سے لاتعلق ہیں کیونکہ وہ آپ کا پیسہ تھا ہی نہیں لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ جب وہ رقم کٹ رہی ہوتی ہے تو اس آدمی کو پتا ہوتا ہے اور وہ اس کے بالمقابل کبھی کبھار قرض کے ذریعے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ چنانچہ ایسا نہیں ہے کہ وہ اس سے بالکل لاتعلق ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں وہ اضافہ ناجائز ہے۔ یہ دو آراء ہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو سودی سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں تلقین ہے کہ جس نے اپنے آپ کو شبہات سے سے بچا لیا اس نے اپنی دینی عزت اور عصمت کو بچا لیا۔

سوال: قرآن میں بڑی سخت وعید آئی ہے کہ جو سودی لین دین سے باز نہ آئے ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اعلان جنگ ہے۔ کیا یہ وعید انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر ہے؟

حافظ عاطف وحید : قرآن مجید میں سود کی حرمت سن 3ھ میں واضح ہو چکی تھی۔ اس موقع پر لوگوں نے اپنے سارے ربا کے معاہدات ختم سمجھے۔ اس پر جن کے مفادات ربا سے وابستہ تھے انہیں تکلیف ہوئی، انہوں نے واویلہ کیا کہ یہ عجیب دین ہے جو کہتا ہے کہ بیع وشراء کے ذریعے سے منافع کما لو تم پر کوئی پابندی نہیں لیکن ہم تھوڑا سا سود کھاتے ہیں وہ تھوڑا سا سود انہیں برداشت نہیں ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے بیع وشراء اور سود کے اندر مغالطہ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اللہ کی طرف سے فائنل حکم آیا تو اس میں کہا گیا کہ جو کچھ باقی ہے وہ چھوڑ دو۔ نہیں باز آؤ گے تو اعلان جنگ سن لو۔ یہ حکم تقریباً چھ سات سال بعد آ گیا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو انفرادی طور پر سود سے منع کیا۔ اس صورت حال کو سامنے رکھیں تو ہم نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ انفرادی سطح پر رسول اللہ ﷺ نے ایک رسول ہونے کی حیثیت سے اللہ کا یہ حکم سنا دیا اور پھر لوگوں کی اصلاح کی۔ لیکن ایک مرحلہ وہ آیا جب آپ ﷺ نے صرف نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے یہ حکم نہیں سنایا بلکہ ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے یہ حکم سنایا اور یہ حکم آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر سنایا۔ ان الفاظ کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ صرف انفرادی معاملہ نہیں بلکہ یہ ریاستی مسئلہ ہے۔ اگر ریاست میں سود کا لین دین ہو اور اس پر ریاست کی طرف سے کوئی سزا نہ دی جائے تو سودی ذہنیت والے لوگ سود کے ذریعے پیسہ بنانا شروع کر دیں گے اور لوگوں کو اپنے قرض کے بوجھ تلے دبا لیں گے۔ جیسا کہ آج کل کے دور میں ہو رہا ہے۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ دِمَاءَكُم، وأَمْوالَكم وأعْراضَكُم حرامٌ عَلَيْكُم كَحُرْمة يومِكُم هَذَا، في شهرِكُمْ هَذَا، في بَلَدِكُم هَذَا، ألا هَلْ بلَّغْت)) ''تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے انسان کے مال کی حرمت انسانی جان کے برابر لا کر رکھ دی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بعد میں نجران کے ایک عیسائی قبیلہ نے اجازت مانگی کہ ہمیں فلاں فلاں چیز کے ساتھ سود کھانے کی اجازت دی جائے تو ہم ذمی بن کر آپ کے ساتھ رہیں گے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل نہیں ، ربا کے معاملے میں تمہیں کوئی چھوٹ نہیں۔ اسی طرح مجوسیوں کا ایک قبیلہ تھا جو ہجر کے علاقے میں رہتا تھا' ان کے ہاں بھی سود کا لین دین تھا لیکن آپ ﷺ نے ان کو بھی تنبیہ کر دی تھی کہ تم نے سود کا لین دین کیا تو میں تمہارے عقد ذمہ سے بری ہوتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں نجران کے لوگ سود کے معاملات میں ملوث پائے گئے تو حضرت عمر نے انہیں اس علاقے سے بے دخل کر دیا۔ لہٰذا مسلمانوں کی ریاست میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اس حکم کا اطلاق ہوگا۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

پریس ریلیز 07 اگست 2020ء

کمرۂ عدالت میں ماورائے عدالت قتل ہمارے نظامِ عدل پر سوالیہ نشان ہے

ایوب بیگ مرزا

کمرۂ عدالت میں ماورائے عدالت قتل ہمارے نظامِ عدل پر سوالیہ نشان ہے۔ یہ بات ترجمان تنظیم اسلامی مرزا ایوب بیگ نے پشاور میں کمرۂ عدالت کے اندر ایک گستاخِ رسول کو جہنم واصل کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ اگرچہ کسی شہری کا قانون کو ہاتھ میں لینا کوئی قابل ستائش بات نہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ نوبت کیوں آتی ہے۔ اگر ہماری ایلیٹ، ہمارے قانون ساز ادارے، ہماری انتظامیہ، ہماری عدلیہ، سر جوڑ کر بیٹھیں اور حالات کا تجزیہ دیانت داری اور باریک بینی سے کریں اور نیت سدھار کی ہو تو ایسے اقدامات کیے جا سکتے ہیں کہ لوگ قانون کو ہاتھ میں لینے کی سوچ بھی نہ رکھیں۔ مثلاً قانون کے اطلاق کے بارے میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہ ہو۔ ہر شخص کو یہ یقین ہو کہ مجرم اگر سربراہِ مملکت بھی ہے یا اُسے عالمی قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہے تب بھی قانون کے ہاتھوں سے بچ نہیں پائے گا۔ ایسی صورت میں کوئی شخص قانون کو ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھے گا۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر حکومت سیکولر اور لبرل طبقات کے مطالبے پر 295-C کو ختم کرنے پر غور کرنے کی بجائے اُسے فعال کرنے پر توجہ دے اور گستاخانِ رسول اپنے منطقی انجام کو پہنچیں تو کوئی شہری بھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لے گا۔ قانون کی بالادستی بھی قائم ہوگی اور حضور ﷺ کی شان اور حرمت پر حرف لانے کی بھی کسی کو جرأت نہ ہوگی۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی)

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha@yahoo.com

13 پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

اے مشرق کے لوگو! اب کیا کرنا چاہیے؟

35

ہم ہنر ہم دیں ز خاکِ خاور است
رشکِ گردوں خاکِ پاکِ خاور است

ترجمہ: (سارے پیغمبر اسی خاکِ مشرق میں آئے ہیں) انسانی تمدن وتہذیب میں علم الاشیاء (ہنر) اور خداشناسی کے جذبات مشرقی علاقوں کی بدولت ہے اور آسمانی ہدایت کے لانے والے پیغمبروں کی باقیات اسی مشرق کی خاک میں ہیں جس کی وجہ سے یہ خاک (اور یہاں کے افکارونظریات) رشک گردوں ہیں

تشریح: (آج یہ حقیقت طشت ازبام کرنے کی ضرورت ہے کہ) مشرق انسان دوست افکار، انسان دوست رویوں اور انسان دوست جذبوں کے فروغ کی سرزمین ہے، مشرق انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے پھلنے پھولنے کو سازگار ماحول دینے کی سرزمین کا نام ہے۔ اسی سرزمین سے انسانی فطری فلاح کے جذبات تشکیل پاتے ہیں اور دنیا بھر میں پھیلائے جاتے ہیں۔ مشرق طلوع آفتاب کی سرزمین ہے اور سورج طلوع ہوتا ہے تو استعارتاً ہر چیز تاریکی سے نکل آتی ہے۔ علم، روشنی، انسان دوست پاکیزہ ہنر بھی اسی کا پھل ہے۔ مشرق میں سورج نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوجاتا ہے۔ مشرق علوم وفنون، ہدایت، شخصیت سازی اور روحانیت کی سرزمین ہے جبکہ مغرب تو سورج کے غروب ہونے کی علامت ہے اور انسانی اقدار، عفت و عصمت، شرم و حیا، راست بازی و روحانیت کے تصورات کے ڈوبنے کی علامت ہے۔ آفتاب استعارہ ہے روشنی کا چاہے علم و ہنر کی ہو یا اخلاق وکردار کی۔ مشرق وآفتاب باہم چولی دامن کا ساتھ ہے اور باہم دونوں جزولاینفک ہیں۔

36

وا نمودیم آنچہ بود اندر حجاب
آفتاب از ما و ما از آفتاب

ترجمہ: (یہ حقیقت انسانی تحت الشعور میں پیوست ہے کہ) رات چھائی ہوتی ہے اور چہار سو تاریکی ہوتی ہے مشرق سے سورج نکلتا ہے اور روئے زمین کے راز سامنے آتے ہیں۔ یہ اقوامِ مشرق (آسمانی مذاہب) کی دین ہے۔ روشنی پہلے مشرق میں آئی اور اہل مشرق نے دنیا تک پھیلائی۔ (مغربی ماحول تو روشنی افکار و کردار کے غروب ہونے کا ماحول ہے)

تشریح: دنیا میں انسانی اقدار کے فروغ وترویج کا جذبہ مشرقی جذبہ ہے۔ مغربی دنیا میں اگر کہیں انسان دوستی، CONSCIENCE اور روحانیت کا گزشتہ صدیوں میں تذکرہ ہے تو مشرق کے لوگوں سے روابط کی وجہ سے ہے۔ جرمنی میں مشرقی علوم اور فارسی شاعری کا چرچا، اسی بات کی علامت ہے۔ جرمنی صدیوں سلطنت عثمانیہ کا حلیف رہا اور باہمی روابط رہے۔ جبکہ دوسری یورپی اقوام جارح (AGGRESSIVE)، علاقوں پر قبضہ والے، لوٹنے والے، خدا ارفلسفیوں کے موجد، مؤید، مبلغ اور امام بن کر سامنے آئے۔ مشرق سے آفتاب ابھرنے کی طرح اسلام ابھرا ساری دنیا کو روشن کر گیا ہے مغرب نے اسلام کو دبانے کا شیطانی عمل کر رکھا ہے۔ آج مغرب میں سورج کے غروب ہونے کے بعد تاریکی پھیلنے کی طرح سیکولرازم اور لبرل ازم کے افکار چھا گئے ہیں۔

37

ہر صدف را گوہر از نیسانِ ما ست
شوکتِ ہر بحر از طوفانِ ما ست

ترجمہ: روئے زمین پر ہر اچھا خیال اور فکر (آسمانی ہدایت) ہماری (حضرت ابراہیم کی اولاد پہلے بنی اسرائیل اور اب بنی اسماعیل یعنی حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کی) 'بارش کے قطرے' سے ہے اور ترقی و پیش قدمی کی طرف ہر قدم اسلام (کے عطا کردہ جذبے) اور طوفان سے ہے

تشریح: روئے زمین پر ہر اچھا نظریہ، فکر اور کام ہمارے مشرقی ذہن (صدف) کی پیداوار ہے اور مشرق میں پلا بڑھا ہے اور ہم نے پھیلایا ہے۔ آسمانی وحی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں مختص کر دی گئی تھی (26:57) پہلے بنی اسرائیل میں یہ سلسلہ جاری رہا اور اب بنی اسماعیل میں نبی آخرالزماں ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اختتام پذیر ہوگیا۔ دنیا میں اچھائی تعلیمات اسلام کی (بارش کی) برکت سے ہے اور انسانی فلاح و بہبود اور ترقی کی طرف ہر قدم قرآن مجید کے (عطا کردہ ذہن اور جذبوں کے) طوفان کے باعث ہے۔ بنی اسرائیل نے آسمانی ہدایت کو قتل انبیاء کے جرم سے غارت کر دیا۔ ان کی تعلیمات کی کوکھ سے کچھ خیر نہیں پھیلا تورات، زبور، انجیل انہوں نے گم کر دی، یونانی فلسفہ کی انہوں نے سرپرستی کی اور رومی بادشاہوں کے طور طریقے ان کے ذہن رسا کی پیداوار ہیں ❶ آج کا مغرب (WESTREN CULTURE) یونانی علم الاصنام اور رومی طرز حکومت کا ملغوبہ ہے۔ ❷

❶ انگریزی میں دنوں کے نام، مہینوں کے نام، گاڑیوں کے نام اکثر یونانی اصنام وغیرہ کے ناموں پر ہیں۔

❷ رومی بادشاہوں کا طرز حکومت دبدبہ ROMAN TORTURE سے عبارت ہے۔ انٹرنیٹ پر سرچ کریں۔ پڑھتے جائیں اور شرماتے جائیں۔ رومی فکر کی کجی اس سے ظاہر ہے کہ رومی بادشاہوں کے جدامجد مادہ بھیڑیے کے دودھ سے پل کر جوان ہوئے اور یہی چیر پھاڑ اور خونخواری ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی، آج فرنگ اور امریکہ (گوانتاناموجیل) کے حصے میں آئی ہے۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

(ترجمہ: عامرہ احسان)

خطبۂ جمعہ آیا صوفیا

ذی احترام اہلِ اسلام!

اللہ کی رحمتیں، سکینت، نصرت اور جمعۃ المبارک کی بے پایاں برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ اس بابرکت ساعت، اور اس مقدس مقام پر ہم ایک تاریخ ساز لمحے کے شاہد ہیں۔ مسجد آیا صوفیا میں نماز کی یہ جماعت عید الاضحیٰ کی ضو میں 3 ذوالحج کو منعقد ہو رہی ہے۔ اس قوم کا طویل انتظار جو دل شکستگی کی حد کو پہنچ رہا تھا، آج ختم ہو رہا ہے۔ اللہ قادر مطلق کے حضور ہم لامنتہیٰ شکرانہ اور حمد و ثنا، پیش کرتے ہیں۔

آج وہ دن ہے جب آیا صوفیا کے گنبد و محراب ایک مرتبہ پھر تکبیر و تہلیل اور صلوٰت و تسبیح سے گونج اٹھے ہیں۔ اذان کی پکار اس کے میناروں سے بلند ہوئی ہے۔ آج ہم اسی طرح کے ایک دن کے تجربے سے گزر رہے ہیں، جیسا کہ ستر سال قبل ہمارے اس پار واقع نیلی مسجد (مسجد سلطان احمد) کے 16 میناروں سے 16 مؤذنوں کی تکبیر چہار جانب بلند ہوئی تھی۔ آج وہ دن ہے جب اہل ایمان آنسوؤں کے ساتھ قیام، سکینت بھرا رکوع اور سجدۂ شکر ادا کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔

آج کا دن عزت و توقیر اور عجز و نیاز کا دن ہے۔ لامنتہیٰ حمد و ثنا ہے رب جلیل کی، جس نے ہمیں اس پُروقار دن کا اعزاز بخشا۔ روئے زمین پر مقدس ترین مقام مسجد ہے اور ہم اس ذات باری تعالیٰ کے حضور عظیم آیا صوفیا میں سر بسجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام ہو کہ آپ ﷺ نے اس کی فتح کی بشارت دی تھی: ''تم ضرور ایک روز قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ بہترین امیر اس کا امیر ہوگا اور بہترین لشکر اس کا لشکر ہوگا''۔ (مسند احمد) (دوسری حدیث: ''پہلا لشکر جو میری امت کا، قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا وہ مغفرت یافتہ ہوگا''۔ بخاری)

سلام ہو استنبول کے اس عظیم روحانی معمار پر جو راہیں سر کرتا اس بشارت کو پا گیا۔ سلام ہو بالخصوص سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ اور ان کے بابرکت متعبین پر۔ سلام ہو الپ ارسلان پر جس نے اناطولیہ کے دروازے ہم پر کھولے۔ اس یقین کے ساتھ کہ فتوحات کے معانی حملہ آور ہونا نہیں، بلکہ خوشحالی بخشنا ہے۔ اور اس کے معانی تعمیر و ترقی ہے تخریب نہیں۔ (مسلمان جہاں گئے تاخت و تاراج کی جگہ خوشحالی، جسمانی و روحانی ترقی کے نقیب ہوئے۔ مترجمہ) سلام ہو ہمارے شہداء اور نمازیوں پر جنہوں نے اس سرزمین کو ہمارا گھر بنایا۔ اسے ہمیں سونپا اور دلوں پر حکمرانی کرنے والے ان تمام سلاطین پر، جنہوں نے ایمان کے ذریعے ہمارا جغرافیہ بدلا۔

سلام ہو شمس الدین پر وہ حکیم و دانا عالم، جنہوں نے سلطان محمد کے دل میں فتح کی جوت لگائی اور آیا صوفیا میں یکم جون 1453ء کو پہلی نماز جمعہ پڑھائی۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین۔ سلام ہو پر عزم سلطان محمد فاتح پر، جنہوں نے اپنا دل اس آیت پر جما دیا: پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے، تو اللہ پر بھروسا کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں۔ جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ (آل عمران: 159)۔ تاریخ، ادب، سائنس اور آرٹس کا وہ نابغہ (سلطان محمد فاتح) جس نے اپنے دور کی اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی استعمال کی۔ خشکی پر جہاز چلائے۔ اللہ کے اذن اور نصرت سے استنبول فتح کیا۔ کسی کو اجازت نہ دی کہ وہ اس معزز شہر کو ادنیٰ ترین نقصان پہنچائے۔ ایک کنکری جگہ سے بے جگہ کرنے کے برابر بھی۔

سلام ہو معماروں کے عظیم ماہر باپ سنان معمار کو، جس نے آیا صوفیا کے میناروں کو ڈھالا، اور انہیں اتنا مضبوط بنایا کہ وہ صدیوں سلامت رہ سکیں۔ سلام ہو ہمارے دنیا بھر کے اطراف و اکناف میں پھیلے مسلمان بھائیوں بہنوں کو، جو آیا صوفیا کے دروازے عبادت کے لیے کھولے جانے کے کب سے منتظر تھے۔ اور اب اس کے افتتاح پر خوشی منا رہے ہیں۔

سلام ہو ہمارے ان تمام زعماء پر جو ماضی سے حال تک قلب و روح کی پہنائیوں سے اس دن کے لیے محنت کرتے رہے کہ آیا صوفیا کو دوبارہ اذان، اقامت، وعظ، خطبہ، تلاوت، اور علمی سرگرمیوں اور صف در صف نماز کے عظیم اجتماعات سے ہمکنار کیا جا سکے۔

سلام ہو ہمارے علماء اور دانشوروں، معروف قیادت پر، جو حکمت و دانائی اور فراخ دلی سے مالا مال تھے۔ جنہوں نے آیا صوفیا کو یوں بیان کیا: 'ہماری روحانیت کا مقام اور ہمارے گھر کے ماتھے کا جھومر!، وہ جنہوں نے دل و دماغ کو صبر اور امید سے بھر دیا۔ یہ کہہ کر کہ: 'آیا صوفیا ضرور کھولی جائے گی۔ نوجوانو! انتظار کرو۔ انتظار کرو۔ ابھی کچھ اور بارانِ رحمت برس لینے دو۔ ہر بارش کے بعد ایک سیل رحمت امڈا کرتا ہے۔ میں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہ سکتا ہوں کہ میں اس کے بہاؤ کا ایک تنکا ہوں۔ آیا صوفیا کھولی جائے گی۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمت فرمائے۔ (آمین)

اے ایمان والو! آیا صوفیا جس کی عمر 15 صدیوں سے زیادہ ہے۔ انسانیت کی تاریخ کی قیمتی ترین عبادت گاہوں، مراکز علم و حکمت میں سے ایک ہے۔ یہ صدیوں پرانا مقامِ عبادت، اللہ رب العالمین کے حضور عبودیت اور اطاعت کا عظیم اظہاریہ ہے۔

سلطان محمد فاتح نے عبادت کا یہ غیر معمولی مقام، اپنی آنکھوں کا تارہ، اہل ایمان کی سپردگی میں دیا اور اسے وقف کیا۔ اس شرط پر کہ یہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی۔ وقف کی جائیداد ہمارے عقیدے کے مطابق ناقابل تنسیخ حرمت کی حامل ہوتی ہے۔ جو اسے بدنیتی سے چھوتا ہے اسے گویا بھسم کر دیتی ہے۔ وقف کا عہد نامہ مقدس اور اٹل ہے اور جو کوئی اس میں خلل انداز ہو وہ ملعون ہوگا۔ چنانچہ اس دن سے آج تک آیا صوفیا مقام تقدس رہا ہے، نہ صرف ہمارے ملک، بلکہ امت محمد ﷺ کے لیے بھی۔

آیا صوفیا وہ مقام ہے جس سے ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کے لیے اسلام کی لامنتہا رحمت کا اعلان جاری ہوا ہے۔ آیا صوفیا میں فتح کے بعد جن لوگوں نے پناہ لے رکھی تھی، وہ متفکر، اپنے مقدر کے منتظر تھے کہ ان سے نجانے کیا برتاؤ ہوگا؟ ان سے محمد فاتح نے کہا تھا: اس لمحے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی اور آزادی کے بارے میں خوفزدہ مت ہونا۔ کسی کی جائیداد نہ لوٹی جائے گی۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ کسی کو اس کے مذہب کی بنا پر سزا نہ دی جائے گی۔ اور پھر اسی پر عمل ہوا۔ (ہمارے فاتحین کی اسی کریم النفسی نے اشاعت اسلام کی۔ تقابل ہو امریکی برطانوی تاریخ کی چیرہ دستی، ظلم و جبر کی داستانوں کے سیاہ ابواب سے۔ 'میں سانس نہیں لے سکتا' تحریک کے پس منظر میں۔ مترجمہ) اسی لیے آیا صوفیا علامت ہے عقیدے کے احترام اور بقائے باہمی کے اخلاقی ضابطے کی۔

government via the National Endowment for Democracy (NED) and partner corporate foundations like George Soros' Open Society Foundation (OSF).

The lack of any 'action' or 'verdict' by the ICC on issues such as atrocities committed by Israel on Palestinians and India on Kashmiris are just two of the hundreds of examples of the 'bias' shown by the ICC in cases which involve rich and powerful nations (or poor and oppressed peoples). Although Israel is not a party to the Rome Statute, and as such, it has no legal obligations arising from the implementation of the statute, and hence does not fall under the purview of the ICC, yet there has to be some alternative international forum that ought to take Israel to task for its oppression and crimes.

<u>Source</u>*: Adapted from an article by Tony Cartalucci*

عزیز مسلمانو! آیا صوفیا میں عبادت کی بحالی، اس کی طویل تاریخی حیثیت سے وفا کا تقاضا ہے۔ یہ ایک مقام مقدسہ کا اپنے اصل مقصد پر لوٹنا تھا، جو پانچ صدیاں اہل ایمان کا مرکز ومحور رہا۔ آیا صوفیا کو عبادت کے لیے کھول دینا گواہی ہے، اس امر کی کہ اسلامی تہذیب عروج پذیر رہتی ہے۔ اسلامی تہذیب جس کی بنیاد توحید ہے۔ جس کی تعمیر کی اٹھان علم پر اور ربط باہم نیکی اور خیر پر ہے۔

آیا صوفیا کی بحالی، زندگی کی امید ہے۔ مظلوم مسلمانوں اور غمناک مساجد کے لیے، جس میں سرفہرست مسجد اقصیٰ ہے۔ آیا صوفیا کی عبادت کے لیے بحالی ہماری عالی نسب قوم کے عزم کا اظہار ہے، جس کے نزدیک ایمان اور ملک وملت کی محبت سرفہرست ہے۔ جو اپنے اسلاف کے ورثے کی روحانی قوت کے ذریعے ایک مضبوط مستقبل کی تعمیر کے لیے پرعزم ہے۔

عزیز اہل ایمان! ہماری مساجد، ہماری تہذیب میں موجود اتحاد، دوستی، بھائی چارہ، ایمان اور طمانیت کا ذریعہ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مساجد بنانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والوں کے بارے میں فرماتا ہے: اللہ کی مسجدوں کے آباد کار (مجاور وخادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔ (التوبۃ:18)

عزیز بھائیو اور بہنو! اس سے زیادہ افسردگی کا عالم کیا اور کہاں ہوگا کہ ایک مسجد ہو، جس کے منارے خاموش، منبر ومحراب ویران، بے آواز اور باغ اجڑا ہوا ہو۔ اسلام کے خلاف بڑھتی ہوئی مخاصمت اور دشمنی کی بنا پر آئے دن دنیا کے مختلف حصوں میں مساجد پر حملے ہوتے ہیں، جبراً ان کی بندش کر دی جاتی ہے اور بمباریوں تک سے تباہ کر دی جاتی ہیں۔ کروڑوں مسلمان ظلم وجبر کا نشانہ بن رہے ہیں۔ میں دنیا کو محمد فاتح کا پانچ صدی پہلے کا، آیا صوفیا کے متعلق یہ عظیم مثالی رویہ دکھانا چاہوں گا، تاکہ پوری انسانیت کو پکار کر کہہ سکوں: بس کر دو بس! اسلام دشمن اظہاریے، کارروائیاں اور ہمہ نوع ظلم اب بند کر دو۔

عزیز بھائیو اور بہنو! ہم بحیثیت اہل ایمان جن کے نزدیک آیا صوفیا کا معنی عظیم مقصد، ۔۔۔۔۔۔ خیر خواہی، لطف ومہربانی پوری دنیا کا احاطہ کرلے۔ اسی کے لیے محمد ﷺ اور دیگر انبیاء بھیجے گئے۔ امن، نجات اور سلامتی کی خاطر! سو آج ہمیں یہی کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم دن رات ایک کر دیں، یہ یقینی بنانے کے لیے کہ راحت ومہربانی، کشادہ ظرفی، راست بازی اور انصاف دنیا پر حکمران ہو۔ ہمیں انسانیت کی نجات کے لیے امید بننا ہے جو اس وقت گمبھیر مسائل کے بھنور میں پھنسی ہے۔ ہمیں ظلم وجبر، بے انصافیوں، آنسوؤں آہوں اور مایوسی میں گھرے خطوں میں انصاف لانا ہے۔ ہمیں اس پکار پر متوجہ ہونا ہے: اے مسلمانو! اسلام کو سمجھو، اسلام کے مطابق جیو اور اتنے درست اور بھلے طریقے سے اسلام پھیلاؤ کہ جو کوئی تمہیں مارنے کو آئے، وہ تم سے نئی زندگی پا جائے!

ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ تمام لوگ یا ایک دین کی بنا پر بہن بھائی ہیں یا مخلوق ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق: ہم اس دنیا کو مشترک گھر سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس گھر کے سبھی افراد بلالحاظ مذہب، نسل، رنگ وملک یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ تحفظ اور انسانیت کے ساتھ، آزادانہ رہ سکیں، عالمی (بھلی) اقدار اور اخلاقی اصولوں کے دائرے میں۔ آیا صوفیا کے گنبد تلے ہم پوری انسانیت کو پکارتے ہیں کہ وہ امن وانصاف، رحم اور راستی برقرار رکھے، اسے سربلند کرے۔ ہم عالمی اقدار اور اخلاقی اصول وضوابط کے تحفظ ودفاع کی پکار بلند کرتے ہیں جو انسانی عزت ووقار کی حفاظت کرتے ہوئے ہمیں اعلیٰ اشرف مخلوق بنا سکے۔

آخری اور برحق دین کے متبع کی حیثیت سے، جو علانیہ یہ کہتا ہے کہ ہر انسانی جان، جنس اور عمر سے قطع نظر قابل احترام ہے، جس کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی، ہم انسانیت کو پکارتے ہیں کہ وہ اس ضمن میں تعاون وشراکت کاری کرے، سبھی انسانی نسلوں کی زندگی، مذہب اور اموال واسباب جائیداد کا تحفظ یقینی ہو۔ یہ اس لیے کہ آج ہمیں ہمیشہ سے بڑھ کر اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے دل ہمارے میلانات سے، ہماری عقل ہمارے ضمیر سے، انسان، انسانوں سے اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ آج یہ تاریخی خطبہ ختم کرتے ہوئے میں پوری دنیا کو اس عزت مآب جگہ سے ایک پکار دینا چاہوں گا۔

اے لوگو! آیا صوفیا مسجد کے دروازے اللہ کے تمام بندوں کے لیے بلا تفریق اسی طرح کھلے رہیں گے جیسے مسجد سلیمانیہ، سلیمی مسجد، سلطان احمد مسجد اور ہماری دیگر مساجد ہیں۔ ایمان، عقیدے، عبادت، تاریخ، غور وفکر اور تدبر کا سفر آیا صوفیا کی روحانی فضا میں بلا تعطل جاری رہے گا ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ ہمیں آیا صوفیا کی کماحقہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ مسجد جو ہماری زریں تاریخ میں خصوصی مقام رکھتی ہے اور ہمارے دلوں میں جس کی غیر معمولی قدردانی ہے۔ اللہ ہمیں آیا صوفیا جیسی مسجد کا بخوبی احترام کرنے کا اذن عطا فرمائے جو سرتا پا عظیم الشان ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزت مآب (صدر اردوان) تمام حکام جنہوں نے ہماری شناخت اور تہذیب کے تحفظ کے لیے کاوشیں کیں، وہ سب لوگ جو آج کے دن کے لیے دعائیں کرتے ہماری خوشی میں شریک رہے، اللہ ان لوگوں میں شامل فرما لے جن سے اللہ محبت رکھتا ہے اور جن سے اللہ راضی ہوتا ہے، آمین۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آیا صوفیا کی بحالی سے مغرب دہل گیا ہے۔ تلوار بردار خطیب دیکھ کر خلافت کا خوف انہیں لرزا گیا ہے۔ ہم مندر بحال/تعمیر کرنے کو بے قرار ہیں! فاعتبروا یا اولی الابصار! (مترجمہ)

The ICC and NGOs: Modern Day Manifestations of "The White Man's Burden"

The International Criminal Court (ICC) is not international nor a legitimate court, but is most certainly criminal.

It is an institutionalized tool – one of many – used by Western corporate-financier interests to coerce and control nations across the developing world.

In a recent charade aimed to boost its otherwise nonexistent credibility, the ICC has claimed it seeks to investigate the United States for war crimes regarding Afghanistan. It also claims it is investigating the United Kingdom regarding Iraq. However, the ICC has – since its first case in 2003 – been used primarily against targets of Western interests – with a particular emphasis on Middle East, South Asia, Africa and Eastern Europe. Not a single Western government or individual has been prosecuted by the ICC despite having committed the worst war crimes of the 21st century.

On paper, the International Criminal Court seems like a good idea. This is probably why many nations signed and ratified the statute giving it its supposed mandate. However, as with many good ideas in theory, in practice the ICC falls tragically short.

Unsurprisingly, the ICC's shortcomings stem from its little-discussed but very lopsided funding and the obvious resulting conflicts of interest.

An African Business article titled, "Who Pays For the ICC?" would explain it best, noting (emphasis added):

> The maximum amount a single country can pay in any year is limited to 22% of the Court's budget. The ICC spent 80.5 million euros in 2007. The Assembly of States Parties approved a budget of 90.38 million euros for 2008 and 101.23 million euros for 2009. By April 2009, the ICC employed 743 people.
>
> There are two points of immediate concern regarding the ICC budget. The first that while the Court theoretically sets a cap on funding at 22% of its budget from any one country, considerably more than 50% of its 2009 budget funding came from EU member countries. Thus, the contributions to the ICC's 2009 budget clearly illustrated the continuing European hold on the Court's funding.

The article would also explain (emphasis added):

> **The EU, through its member states, paid 60% of the 2009 budget of €94.17m. If one includes – as the EU does in its statements regarding the ICC – those other European states which it says are candidate or potential candidate members of the EU and those other European nations that associate themselves with the EU position, the European contribution comes to a cool 63%. The EU, therefore, clearly, and probably unconstitutionally, financially dominates the ICC.**

A look at the ICC's finances in the form of a chart further highlights the disparity in funding and reveals the ICC not as an "international" court, but a political tool of Western Europe and in particular – the European Union. When three of the "Five Eyes" nations are included and considering Japan's geopolitical subordination to Washington – the disparity is even more obvious.

If these nations collectively wage war and commit war crimes together, why would they not also abuse the ICC's mandate to redirect the court's efforts away from them, and toward yet other targets of their own self-serving interests?

Similarly, while the US claims it opposes the ICC, having never ratified the statute putting the court into effect – it uses the ICC nonetheless. It does so in concert with the EU and through fronts – specifically through nongovernmental organizations (NGOs) funded by the US government via the National Endowment for Democracy (NED) and partner corporate foundations like George Soros' Open Society Foundation (OSF).

The lack of any 'action' or 'verdict' by the ICC on

Vol. 29 Regd. C.P.L NO. 114 No.25

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore